لتکن منکم امۃ یدعون الی الخیر و یامرون بالمعروف و ینھون عن المنکر و اولئک ھم المفلحون

مجددِ کامل

حضرت خواجہ کمال الدین صاحب مبلغ اسلام بانی مسلم مشن ووکنگ (انگلستان)

جس میں

مصنف موصوف نے اُن وجوہ کو لکھا جنکی رو سے انہوں نے حضرت مرزا غلام احمد صاحب علیہ الرحمۃ کو بموجب حدیث نبوی "ان اللہ یبعث لھذہ الامۃ علی راس کل مائۃ سنۃ من یجدد لھا دینھا" اس صدی کا مجدد تسلیم کیا

جسے

مسلم پرنٹنگ پریس لاہور میں میاں عبدالواحد صاحب پرنٹر کے زیر اہتمام چھپوا کر

مسلم بک سوسائٹی عزیز منزل برانڈرتھ روڈ لاہور

دسمبر ۱۹۳۲ء میں شائع کیا

اعلان

تصنیفات حضرت خواجہ کمال الدین صاحب مبلغ اسلام

نمبر	نام کتاب	قیمت	نمبر	نام کتاب	قیمت
۱	توحید فی الاسلام	عہ/	۱۴	پیام اسلام	۸/
۲	سلک مروارید	۴ر/	۱۵	مقصد مذہب	۳/
۳	ینابیع المسیحیت	عہ/	۱۶	خطبات غربیہ	۱۲/
۴	ضرورت الہام	۱۲/	۱۷	[illegible] نجات فی الاسلام	۱۲/
۵	رازِ حیات	۵ر/	۱۸	ہستی باری تعالیٰ	۶/
۶	مکالمات ملیہ	۱۳/	۱۹	یسوع کی الوہیت اور اسکی کامل انسانیت پر ایک نظر	۴/
۷	مطالعہ اسلام	۱۲/			
۸	اسلام میں کوئی فرقہ نہیں	۱۲/	۲۰	اسلام اور علوم جدیدہ	۴/
۹	مذہب محبت	۷/	۲۱	صلائے نصرت بہ اہل ہمت فاتحہ نظم	۳/
۱۰	ذات عالم کا مذہب	۸/	۲۲	ردِّ تناسخ	۱۲/
۱۱	اسوۂ حسنہ	۷/	۲۳	جہد للبقا	۴/
۱۲	براہین نیرہ	۱۲/	۲۴	تمدن اسلام حصہ اول ۔ حصہ دوم	[illegible]
۱۳	ام الالسنہ	۱۲/	۲۵	حریت صادقہ (زیر طبع)	-

المشتہر

مسلم بک سوسائٹی عزیز منزل برانڈرتھ روڈ لاہور (پنجاب)

فہرست مضامین مجدد کامل

نمبر صفحہ

(۱) ایک فرماں رواکے دربار میں احمدیت پر میری گفتگو۔ ہمارے کوئی خصوصی عقائد نہیں۔ لوگ علی العموم ہم سے ناواقف ہیں

(۲) میں نے کسی مصلحت سے اپنی تصنیف کو اپنی فرقی تعلیم سے الگ نہیں رکھا۔ حضرت مرزا صاحب کے سوا ہمارے کوئی خصائص نہیں۔ خود حضرت رحمۃ اللہ کے نزدیک مدعی نبوت خارج از اسلام تھا۔

(۳) آپ نے اپنے استفتا میں نبوت سے انکار کیا ہے۔ میرا اور لاہوری احمدی جماعت کا یہی عقیدہ ہے

(۴) ہم آپ کو مجددِ صدی باتباع حدیث نبویؐ مانتے ہیں مسلمانوں کا بھی فرض ہے کہ وہ مخبرِ صادقؐ کے ارشاد کے مصداق کی تلاش کریں۔

(۵) مرزا صاحب کے سوا کسی نے اِس صدی میں مجددیت کا دعوےٰ نہیں کیا۔ رہا مسئلہ وفات مسیح۔ سو سلف صالحین میں سے بعض اسکے قائل ہیں۔ اور بروئے قرآن جو ایک دفعہ مرگیا وہ واپس نہیں آتا لہٰذا آنے والا مثیل مسیح ہوگا۔

(۶) میری گزشتہ پندرہ سالہ زندگی اسلامی نگاہ میں ٹکسالی زندگی ہے۔ كُونُوا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ کا حکم قرآن میں ہے مسلمانوں کا فرض ہے کہ مجدد کے ساتھ ہوں۔

(۷) احمدی عقائد شعار اسلامی ہیں۔ احمدی نماز و کلمہ بھی وہی ہے۔ جو جمہور اہل اسلام کا ہے

(۸) میں وفاتِ مسیح بروئے قرآن مانتا ہوں۔ نہ اس لیئے کہ وہ سائنس کی تحقیق کے خلاف ہے۔

(۹-۱۰-۱۱) بروئے قرآن اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کے نبیؑ مرچکے ہیں تو مسیح بھی مرچکا ہے خود آنحضرت صلعم نے لفظ تَوَفّٰی کے معنی جہاں قرآن نے اسی مسیح کے متعلق استعمال کئے۔ خود موت کے کیئے ہیں جس سے وفاتِ مسیح ثابت ہوتی ہے۔

(۱۲) اگر مسیح مرچکے تو پھر وہ زندہ ہوکر نہیں آسکتے۔

(۱۳) قرآن نے لفظِ حیات و موت کے معنی روحانی جسمانی دونوں کیئے ہیں۔

(۱۴) مسیح کی رفعت روحانی تھی۔ حدیث میں جس ابنِ مریم نے نزول کرنا ہے۔ وہ تو بالفاظِ حدیث
اُمتی ہوگا نہ کہ نبی ہوگا۔ لہذا مسیح موعود امتی ہے نبی نہیں۔

(۱۵) نبوت کے لغوی معنی مکالمہ مخاطبہ کے ہیں۔

(۱۶) مکالمہ الٰہیہ کے وجود پر ایمان نہ ہونے سے کل دیگر قوموں نے الہام کے متلو ہونے سے
آہستہ آہستہ انکار کیا۔ آخر مسلمانوں میں بھی ایک ایسی جماعت پیدا ہوگئی۔ جنھوں نے صرف مطالب
قرآن کو خدا کی طرف سے مانا۔ اب عدم مکالمہ کے باعث دنیا کا یہ عقیدہ ہوگیا کہ کسی مشہود
الہامی کتاب کے الفاظ کو چھوڑ مطالب بھی خدا کی طرف سے نہیں مانے جاتے۔

(۱۷) مرزا صاحب نے جو کچھ لکھا قرآن سے لکھا ہے۔

(۱۸-۲۰) بشپ مرنی کا کیمبرج سے پیغام۔ اور ان کے ساتھ عیسائیت پر مکالمہ۔ صدقِ
مذہب کا معیار مکالمہ الٰہیہ ہے جو آج عیسائیوں میں نہیں۔ یہ باتیں مسیح تک تھیں

(۲۱) بشپ موصوف کا گفتگو کرنے سے من وجہ انکار۔

(۲۲) الہام و نزول فرشتگان کا دروازہ امتِ مرحومہ کے لیئے کھلا ہے۔ قرآن کا نام برہان ہے

(۲۳) سائنس نے آج جن سات منازل علمی کو طے کر کے خدا کی ہستی کو قبول کیا۔ وہ وہی
ہیں جو قرآن نے پہلے تجویز کیے۔

(۲۴) آج عقل کی حکومت ہے۔ میں نے یہ امر حضرت مرزا صاحب کی تصنیف میں دیکھا ہے۔ اپنی تصنیف
میں اُن کا تتبع کیا۔ نقل عقل کی غلام ہے۔ دونوں کی متقابلہ حیثیت۔

(۲۵) آج ہندو لیڈر بعض اسلامی اصولوں کو اپنے مذہب میں داخل کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔ اور ہندو
علماء کا ایک طبقہ آنحضرتؐ کا دلی مداح بھی ہے۔ ایسے ہی مغرب کا حال ہے لیکن بوجوہِ بالا وہ مسلمان
نہیں ہوتے۔

(۲۶) اگر یہ مکالمہ الٰہیہ کے قائل ہوں تو مسلمان ہو کر ہم سے بہتر عامل ہونگے۔ ہم میں غفلت عمل کی
اصل وجہ یہی ہے۔

(۲۷) لیکن عام مدعیانِ الہام نے آج الہام کو بھی قابلِ توجہ نہیں رکھا۔ ہاں حقیقی الہام کی شناخت کے ابتدائی اصول بھی ہیں۔ حالانکہ قرآن نے دنیا کی بہتری کے لیئے بہترین اصول تعلیم کیئے۔ مگر ہم اُس طرف متوجہ اسی لیئے نہیں ہوتے۔ مثلاً نماز حقیقی دل کی راحت اور کامیابی کی کنجی ہو جائے اگر ہمارے سامنے عملی یقین پر کوئی مجیب الدعوات ہو۔

(۲۸) مبشرات کے وجود سے ہی خدا کے وجود کا عملی ثبوت ملتا ہے۔ اسی سے ہم میں وہ ایمان پیدا ہوگا کہ جس سے ہم دنیا کی کل قوموں پر بھاری ہو جائیں گے۔

(۲۹) قرآن کی وہ آیات جن میں دنیوی کامیابی کا ذکر ہے لیکن اُس پر عمل میں صحابہ کی کامیابی کا راز یہی نعمت مکالمہ تھی۔ آج جو اُس سے انکار ہے۔ اسلیئے مذہبی زندگی بھی خشک ہو چکی ہے۔

(۳۰-۳۱) اسلامی تہذیب کو کل تہذیبوں پر اسلیئے فوقیت ہوئی۔ ایمان کی مضبوطی سے جو مکالمہ پر منحصر ہے۔ ہم اِس مُلک میں کم تعداد ہونے پر بھی سب پر غالب آجائیں گے ورنہ دوسرے ہمیں کھا جائیں گے۔

(۳۲) مکالمہ کے انکار سے اگر قرآن کا وحی متلو نہ مانا گیا تو آج عام طور پر مذہب سے تو انکار شروع ہو گیا ہے۔

(۳۳) ہر بے جان اور گنگ مخلوق کو تو خدا کی طرف سے ہدایت ہوتی ہے۔ لیکن ہم میں جو ناطق ہے ہم کیوں الہامِ ناطق سے محروم رہیں۔

(۳۴) ضرورتِ الہام میں ایک روزمرہ واقعہ سے تشریح۔

(۳۵) اس نعمتِ مکالمہ کے پانیوالے باہر بھی ہو سکتے ہیں۔ میں اُنکی خدمت میں حاضر ہو سکتا ہوں اگر مجھے اُن کا علم ہو۔ ہاں بقولِ مرزا صاحب اُمتِ مرحومہ نے صدہا ایسے بزرگ پیدا کیئے۔ ہمارے زمانہ کی ضروریاتِ خاصہ ایک مدعیٔ الہام کو چاہتی تھیں۔ مرزا صاحب تو محدث (ملہم کلامِ خدا) تھے محدثیت کو حضرت ابنِ عربی۔ حضرت شاہِ جیلاں۔ حضرت مجدد سرہندی نے تسلیم کیا ہے۔

(۳۶) لیکن مرزا صاحب نے مجبوراً لفظِ محدث کی بجائے نبی اپنے متعلق استعمال کیا تاکہ غیر مسلم دنیا حقیقت نبوت اور اُسکے امکان کو سمجھ لے۔

(۳۷) بعض قادیان کے اصحاب جماعت کے دو ٹکڑے کرنا چاہتے تھے۔ انہوں نے جدید نبوت کی تعمیر کی۔

(۳۸) حضرت مرزا صاحبؑ نے خود فرمایا ہے کہ اسلام میں کوئی فرقہ نہیں۔ جب قادیان سے پہلا پمفلٹ کلمہ گویوں کی تکفیر میں نکلا تو اُسے حضرت حکیم نورالدین صاحبؓ نے جلا دیا لیکن امرت سر کے بعض مخالفین احمدیت نے اُسے اسلیئے دوبارہ چھپوا کر تقسیم کیا کہ مسلمان احمدیوں سے بگڑ جائیں۔

(۳۹) کیونکہ حضرت مرزا صاحبؑ نے لکھدیا تھا کہ نبی کے انکار سے ہی کوئی شخص کافر ہو سکتا ہے اسلیئے پمفلٹ بالا کی جوازیت میں اصحاب قادیان نے حضرت مرزا صاحب کو نبی بنایا۔ مسئلہ کفر کو وہ چھوڑ نہ سکتے تھے کہ مسئلہ کفر کے قیام سے جماعت کے دو ٹکڑے ہو سکتے تھے۔

(۴۰۔ ۴۱۔ ۴۲۔ ۴۳) حالانکہ مرزا صاحبؑ نے باربار تشریح فرمائی کہ میری نبوت مجازی ہے۔ اور آپ کے وقت تو مخالف علماء آپ پر الزام نبوت دیتے تھے اور آپ کہتے تھے کہ مجھ پر یہ الزام کیوں باندھتے ہو۔ آپنے خدا کے دیئے ہوئے علم پر "سراج منیر" میں اسی امر کی تشریح کی۔ لیکن ان سب باتوں کو چھوڑ دیا جائے۔ خود اہل قادیان کو جو اُن امور کو بھی مرزا صاحبؑ کے نقص فہم پر محمول کرنا پڑا۔ آپنے جو اشتہار "ایک غلطی کا ازالہ" نکالا۔ اُسمیں خود نبوت حقیقی سے انکار کیا۔

(۴۴۔ ۴۳۔ ۴۵) حضرت میاں صاحب کا موجودہ طریق عمل یہ ہے کہ نہ نبوت حضرت پر زور ہو نہ اہل کلمہ کو کافر کہا جائے۔ یہ اسوقت ہو رہا ہے مگر ۱۹۱۵ء میں مذکورہ بالا باتیں کہی گئیں۔ چونکہ ۱۹۰۳ء سے پہلے برابر تیئیس ۲۳ سال حضرت کو نبوت سے انکار رہا اسلیئے مجبوراً یہ کہا گیا کہ حضرت نے اپنی حیثیت ہی کو نہیں سمجھا۔ اور اشتہار بالا تبدیلی عقائد میں نکالا لیکن آپ نے تو اُس اشتہار کے بعد بھی لکھا کہ نبوت آنحضرتؐ پر ختم ہو چکی ہے۔

(۴۶۔ ۴۷) آج سائنس نے پھر اُس خدا کا وجود مان لیا جو قرآن کا ہے۔ اگر مکالمہ الٰہیہ ثابت ہو جائے تو قرآن کو تسلیم کر لینگے۔

(۴۸۔ ۴۹۔ ۵۰) ۱۹۰۱ء میں حضرت مرزا صاحبؑ نے حقیقی نبوت سے انکار کیا۔ اور اپنی نبوت کا

نام ظلی نبوت رکھا۔ اسیطرح حضرت مرزا صاحب کو مجازاً مسیح کہا گیا ہے۔ ہم بھی تو اطباء وغیرہ کو مسیح کہہ دیتے ہیں۔

(۵۱) احمدی جماعت اشاعت اسلام کے لیئے پیدا ہوئی ہے۔

(۵۲) مرزا صاحب اپنے آپ کو ولی کہتے تھے۔ اور آپ تسلیم کرتے ہیں کہ ولی کا الہام قرآن کے الہام کے برابر نہیں ہوتا۔ وہ آپنے تسلیم کیا کہ امور شرعیہ کو آپکے الہام پر ترجیح ہے۔

(۵۳-۵۴) آپ کی نگاہ میں صحابہ کرام کا رتبہ بہت بلند تھا۔ آپنے کہا کہ وہ تو رضاء الٰہی کا سرٹیفکیٹ حاصل کر چکے ہم ابھی امیدوار ہیں۔

(۵۵-۵۶) قرآن کی تعلیم نے نبوت کی شان میری نگاہ میں اتنی بلند کی ہوئی ہے کہ مرشدنا حضرت مرزا صاحب کیا ہیں تو ان بزرگوں کو بھی انکی کتابوں کے باعث نبی نہ مانتا جنہیں قرآن نے نبی تسلیم کیا۔ اگر قرآن اس معاملہ میں خاموش ہوتا۔ تعلیم قرآن کے آگے اس وقت مغرب کے حکماء سر جھکاتے ہیں۔ لیکن عدم ثبوت مکالمہ کے باعث اُسے نبی نہیں مانتے۔

(۵۷-۵۸) حدیث مجددونے مجدد کی صفات کی تعیین کردی ہے۔ اسکا ملہم ہونا حدیث بتلاتی ہے۔ مجدد کوئی نئی شریعت نہیں لاتا۔ لیکن کُونُوا مَعَ الصَّادِقِینَ کے حکم قرآنی کے ماتحت ہیں اُسکے ساتھ ہونا چاہیئے۔ حدیث نبوی سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ مجدد سو سال کے بعد کہیں آتا ہے

(۵۹-۶۰-۶۱) فلسفہ بیعت فنا فی الشیخ۔ فنا فی الرسول۔ فنا فی اللہ۔ کی تشریح مامور کے سوا کسی کی بیعت نہ کرو۔ ہاں اُسکے ہاتھ پر بیعت کرو جو اسکے نام پر بیعت لے۔ وہ تمہارا مرشد نہیں وہ تم جیسا ہے۔ بیعت کے مختلف اقسام۔

(۶۲) اب قادیاں کو مسائل نبوت و کفر کی ضرورت کیوں ہوئی۔

(۶۳) ہر عالم مجدد نہیں ہو سکتا۔ مجدد اسلام کے چار اہم فرائض ہوتے ہیں۔ پہلا کام بیرونی حملوں کا اندفاع ہوتا ہے۔

(۶۴-۶۵) اس وقت سیف کا کام قلم سے لینا ہے۔ حضرت مرزا صاحب کی قلمی خدمات

کیا ہیں۔

(۶۶-۶۷) کس طرح حضرت مرزا صاحب نے پادریوں کی ہرزہ درائی اور آریوں کی منہ زوری کو بند کیا۔ حضرت کی ذات کے بعد اگر آج آریوں نے پھر سر اٹھایا تو اسکی وجہ یہ ہے کہ احمدی جماعت شکلی تنازعات کے باعث اس غرض سے غافل ہوگئی۔

(۶۸-۶۹-۷۰-۷۱) اس مجدد وقت کے دو بڑے کام کسر صلیب اور قتل خنزیر تھے۔ حضرت مرزا صاحب کے وجود کی اہمیت۔ ضرورت اِس سے بھی ثابت ہوتی ہے کہ منہ زور مخالف اسلام آپ کے سامنے دب گئے اور آپکے بعد بعض آج پھر اٹھے۔ اسکا علاج مقدمہ بازی یا میموریل یا دیگر امور نہیں۔ اسکا علاج وہی ہے کہ آج ہم حضرت مرزا صاحب کے قدم پر چلیں۔ الغرض اس صدی کے مجدد کا کام قتل خنزیر و کسر صلیب تھا جو حضرت مرزا صاحب نے کیا۔ اگر آج آریوں نے اپنی منہ زوری نہ چھوڑی تو انشاء اللہ ہم اپنے مرشد کے قدم پر چلکر قدم اٹھائیں گے۔

(۷۲-۷۳-۷۴) دنیا اور اُسکے بعد ہندوستان کی مذہبی حالت زور سے کہہ رہی ہے کہ اس صدی کا مجدد ہندوستان میں ہونا چاہیئے واقعات کہتے ہیں کہ وہ مجدد غلام احمد قادیانی ہے۔ اس نام کے اعداد ابجدی بھی تیرہ سو ۱۳۰۰ ہی بنتے ہیں۔ حضرت مرزا صاحب نے آریہ۔ عیسائی۔ برھمو سکھ۔ نیچری وغیرہ ہر ایک کو جواب شافی دیا۔ الغرض جس نے اسلام کے خلاف سر اٹھایا اُسی کو نیچا دکھلایا۔ سکھوں کو چولہ شریف کا پتہ دیا۔ جسپر قرآن شریف کا بہت سا حصہ لکھا ہوا ہے چونکہ باوا صاحب مسلمان تھے۔ اُنھوں نے سکھ صاحبان کو ورثہ میں قرآن ہی دیا۔ سب سے خطرناک حملہ اسلام پر برہمو سماج کا تھا۔ جس کا جواب براہین احمدیہ میں دیا گیا۔

(۷۵) اگنی ہوتری بانی دیو سماج اسلیئے منکر ہستی باری تعالٰی ہوئے کہ اُنھیں خدا کی طرف کوئی آواز نہ آئی۔

(۷۶-۷۷) چار فرائض میں سے مجدد وقت کا دوسرا فرض اندرونی اصلاح ہوتی ہے۔ حضرت امام غزالی۔ حضرت شاہ گیلاں حضرت مجدد الف ثانی۔ حضرت شاہ ولی اللہ۔ حضرت سید احمد

بریلوی وغیرہ مجددین وقت نے اپنے اپنے وقتوں میں کیا کیا خدماتِ اسلام کیں۔

(۷۷-۷۸-۷۹) حضرت شاہ اسمٰعیل دہلوی — مجدد وقت کی خدمات۔ اہل حدیث کی سابقہ خدمات۔ ان کی افراط تفریط۔ ہماری اندرونی مصائب۔ اہل حدیث و اہل قرآن کا مجادلہ انکار وحی متلو۔ انکار دعا۔ سبِّ صحابہ۔ ان مصائب کا علاج مجدد وقت نے کیا۔ مقبولیت دعا کی شناخت۔ میں حلفیہ شہادت دیتا ہوں کہ حضرت مرزا صاحب مستجاب الدعوات تھے بلکہ انکے بعض متبعین بھی تھے اور ہیں۔

(۸۰-۸۱) اہلِ قرآن کے عقائد پر مختصر تبصرہ۔ اُنکے عقائد پر میں عنقریب لکھونگا۔ آنحضرت صلعم کا فہم قرآن ہر اُمتی کے فہم سے بالاتر ہے۔ عالم اسلام نے گزشتہ تیرہ سو سال میں تین زمانے دیکھے اول زور فقہ۔ پھر زور حدیث۔ مرزا صاحب کے وقت درس قرآن پر زور ہوا۔

(۸۲-۸۳) قرآن کے بعد حضرت مرزا صاحب نے نماز اور دعا پر زور دیا۔ مرزا صاحب نے ہی پانچوقتہ ۔۔۔۔ نماز کے علاوہ انگریزی خواں نوجوانوں سے تہجد پڑھوائی۔ آپنے اشاعت اسلام پر زور دیا۔ تعمیر و استقلال قوم کے سات اصول مندرجہ سورۃ آل عمران کی طرف توجہ کی۔ ان میں سے اصول علم صحیح کا ہونا ہے۔ اسکے لئے انسان کو محکمات و متشابہات میں تمیز کرنی چاہیئے۔

(۸۴-۸۵) آج مسلمان بھائی **استقلال** قومی پر زور دیتے ہیں لیکن سورۃ آل عمران پر عامل نہیں ہوتے۔ اس امر میں مسلمانوں سے بہتر ہندو عامل ہیں۔ ہم پر اُنکے تفوق کا یہی راز ہے اس لئے ہم ذلیل ہیں۔ حضرت مرزا صاحب نے ان سات اصولوں پر جماعت بنانی چاہی۔ ان میں سے دوسرا اصول انفاق فی سبیل اللہ۔ تیسرا اخوت۔ چوتھا اشاعت دین۔ پانچواں ایثار۔ چھٹا جہاد اور ساتواں حفاظتِ قوم۔ اگر حضرت مرزا صاحب کے ارشاد کے مطابق اب بھی مسلمان قرآن کی تعلیم پر عامل نہ ہوئے تو ہندوستان میں ہی دوسرے اُنکو مٹا دینگے۔

(۸۶) مرزا صاحب کی جماعت اس بات کا فکر کرے کہ جب قرآن نے اشاعت پر اخوت کو مقدم کیا ہے تو وہ کیوں آپس میں اخوت کو مٹائے جاتے ہیں۔ یاد رکھیں۔ اشاعت اسلام وہی کرسکتے ہیں

جن میں اخوت ہو۔ تم شاخہائے درخت کی طرح الگ الگ تو رہو۔ لیکن امر پیش آمدہ میں متحد ہو جاؤ

(۸۷) اختلاف امتی رحمۃ کی تشریح یہی ہے۔ یاد رہے کہ غیر مسلموں میں اشاعت اسلام کے وقت

فرقی تبلیغ سم قاتل ہے۔ اہل مغرب عیسائیت سے فرقہ بندی کے باعث متنفر ہو گئے۔ انگلستان میں قادیانی

مشن کی ناکامی کی وجہ یہی ہے۔

فاتح انگلستان کا پتھر بھی دیکھ

(۸۸) پٹنی میں مسجد بھی بن گئی۔ جناب میاں صاحب ولایت بھی ہو آئے۔ فاتح انگلستان کا پتھر بھی دیکھ

لیا۔ لیکن فرقی لیبل نے اشاعت کو روک دیا۔ اسکی تشریح میں ایک خاتون ملجیم کا قصہ۔ انکی رائے ہے کہ پہلے

ہمیں محمدؐ سے واقف ہونے دو۔ پھر ہم مرزا سے واقف ہو جائینگے۔

(۸۹ ۹۰) جسے خود آرچ بشپ کنٹربری نے سمجھا کہ عیسائی فرقہ بندی نے عیسائیت کو کمزور کر دیا۔

عیسائیت سے بیزار لوگ فرقہ ہائے عیسائیت کو لعنت سمجھتے ہیں تو کیا مبلغ اسلام یہ کہے کہ ہمارے

ہاں بھی وہ لعنت ہے۔ فرقی تنازعات کو یہاں چھوڑ کر مغرب میں جاؤ۔

(۹۱-۹۲) مغرب میں کسطرح اشاعت اسلام متحد ہو سکتی ہے۔ تجربہ نے ثابت کر دیا کہ فرقی تعلیم سے

کامیابی نہ ہو گی۔ چنانچہ اب پٹنی مشن کو بھی سمجھ آ رہی ہے۔ اتحاد کے لیے میں یہ نہیں چاہتا کہ تم ہمارے

ماتحت ہو جاؤ۔ ووکنگ کو کسی کے روپیہ کی ضرورت نہیں۔

(۹۳) مسلمانوں نے استقلال قوم کے لیے سب کچھ کیا لیکن بے سود ہوا۔ اب اشاعت کرکے دیکھ

لیں۔ مجدد کا تیسرا چوتھا فرض۔

(۹۴-۹۵) حضرت مرزا صاحب نے جہاد کی تردید نہیں کی آپنے بتلایا کہ اسوقت اس قوم میں سیفی

جہاد کی طاقت نہیں۔ نہ اسکا وقت ہے۔ اسوقت اسلام کی اشاعت اسکی خوبیوں کی اشاعت پر منحصر ہے

جناب مرزا صاحب نے فرمایا کہ یہ وہی وقت ہے جب آنحضرت صلعم نے لڑائی کی ممانعت فرمائی۔ مرزا صاحب نے

یاجوج ماجوج کی تعیین بھی کی اور مسلمانوں کو انکے ساتھ جنگ کرنیسے روکا۔ اور کہا کہ جو ان سے جنگ

کرے گا وہ ہزیمت پائیگا آخر وہ امر ثابت ہوا۔

(۹۶) حضرت مرزا صاحب کے تجویز کردہ طریق پر شوکت اسلام رہ سکتی ہے۔ اسوقت اسلام کے غلبہ کا

وقت آچکا ہے۔ عیسائیت مرچکی۔ اسلام سب ادیان پر غالب ہوگا۔ بشرطیکہ مسلم بھائی اسوقت ہر دوسرے کام پر اشاعت کو مقدم کریں۔

(۹۷) ینابیع المسیحیت کی اشاعت نے عیسائی عمارت کو منہدم کردیا۔ ۱۹۱۳ء میں جو عیسائیت کا تسلط انگلستان پر تھا وہ اب نہیں۔

(۹۸-۹۹) گرجوں میں رونق کم ہوگئی۔ دجّال نمک کی طرح پانی میں گھل گیا۔ عیسائی فرقہ سپر چولسٹ (روحانیین) قرآن پر چل رہا ہے۔

حضرت مرزا صاحب کی تحریر سے نظر آتا ہے کہ اُسکے متبعین خاص طور سے انگلستان میں اشاعتِ اسلام کریں۔ اُنکے نزدیک وہاں کامیابی یقینی ہے۔

(۱۰۰) نور الحق میں حضرت مرزا صاحب نے انگلستان میں اشاعتِ اسلام پر زور دیا ہے۔ لندن میں تبلیغ کے متعلق حضرت کا مکاشفہ۔

(۱۰۱) انگلستان میں تبلیغ اسلام کی طرف توجہ دلاکر حضرت مرزا صاحب نے سیاسی رنگ میں مسلمانوں پر احسان عظیم کیا۔

(۱۰۲) ووکنگ مسلم مشن اب ایک ٹرسٹ کے ماتحت ہے۔ میں ۱۹۱۲ء میں کس طرح انگلستان گیا۔

(۱۰۳) ووکنگ مشن کا انتظام آغاز سے لیکر کن کن ہاتھوں میں رہا۔ اور اسکے ذرائع آمد۔

(۱۰۴) میری طویل علالت طبع نے مشن کو کئی ہزار کا زیر بار کردیا۔

(۱۰۵) مشن کی اس مالی اضطراری پر اسے مسلم لٹریری ٹرسٹ سے ملحق کیا گیا۔

(۱۰۶) ۱۹۳۰ء میں الگ ہونے پر مشن سے لہ ہزار کا مقروض تھا۔

(۱۰۷) انگلستان میں متحد ہوکر اب بھی کام ہوسکتا ہے۔ اسلام کی اشاعت کے لیئے ہر جگہ میدان وسیع ہے۔ **مجدد کا بھاری غرض حسب ضرورت علم قرآن کو پیدا کرنا ہوتا ہے**

(۱۰۸) احمدی علم کلام۔ موجودہ علم کلام کی بنیاد شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے ڈالی۔ سرسید نے یہ کام کیا۔ حضرت مرزا صاحب نے اِسے کمال تک پہنچایا۔ سرسید اور مرزا صاحب کے علم کلام میں فرق وسیع ہے

(۱۱۰) حضرت مرزا صاحب اور انکے بعض شاگردوں نے علم کلام میں دس نئے اصول پیدا کیے

" **پہلا اصول** یہ ہے کہ خدا کی کتاب جو دعوےٰ کرے اسکا ثبوت بھی خود دے۔

(۱۱۱) انجیل کی کل باتیں مصادرہ علی المطلوب کے رنگ میں ہیں۔اس اصول پر قرآن کے سوا کوئی اور الہامی کتاب نہیں ٹک سکتی۔ اِس اصول کا **عکس**۔ اِسے بھی قرآن ہی پورا کرتا ہے۔

(۱۱۲) **دوسرا اصول**۔ خدا کی کتاب کل انسانی ضروریات پر حاوی ہونی چاہیئے۔

" **تیسرا اصول** خدا کی کتاب انسانی جذبات کی تعدیل و تادیب کرے۔مرزا صاحب نے اس موقع پر جو خلق کی تعریف کی وہ بےنظیر ہے۔

(۱۱۳) **چوتھا اصول**۔ مذہب رسمیات نہیں بلکہ اُس رستہ کا نام ہے جسپر چلکر انسان کے طبعی جذبات اخلاق الٰہیہ کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔

" **پانچواں اصول**۔ کامل نبی وہ ہوتا ہے جسکی زندگی میں کل ضروری اخلاق انسانی کا ظہور ہو۔

(۱۱۴) **چھٹا اصول** جسم سے روح الگ نہیں بلکہ روح جسم سے نکلی ہے۔ روح کی تعریف۔

" **ساتواں اصول**۔ ہر انسان مکمل فطرت لیکر دنیا میں آیا ہے۔

(۱۱۵) **آٹھواں اصول**۔ ہر قوم کی ہدایت کے لیئے نبی آئے۔

" **نواں اصول**۔ کسی مذہب کے کسی اصول کو قبول نہ کرو۔ جب تک اسے تنقیح و تجربہ کے ماتحت لاکر دیکھ نہ لو کہ اس سے فائدہ کیا ہوتا ہے۔

(۱۱۶) **دسواں اصول**۔ عیسائی مذہب الف سے یا تک مذہب کفر و الحاد کا سرقہ ہے۔ عربی زبان الہامی زبان ہے۔

(۱۱۷) جناب مرزا صاحب نے **منن الرحمٰن** لکھنے کا ارادہ کیا۔ وہ اِسے نامکمل چھوڑ گئے جس پر آج بائیس ۲۲ سال گزر گئے۔ اِس امر میں کل احمدی جماعت کی غفلت۔

(۱۱۸) مسلمانوں کے بیسیوں ضروری کام ہیں لیکن احمدی جماعت تو صرف اشاعت اسلام کے لیئے

پیدا ہوئی ہے۔ وہ اور کام ترک کرے۔ اس کام کی مختصر تعیین کسرِ صلیب وقتل خنزیر ہے۔ دونوں جماعتیں اپنی جگہ احتساب کر لیں کہ انہوں نے گزشتہ پندرہ سال میں کہاں تک عہدہ برآری کی

(۱۱۹) اس وقت ہمارے تین فرض ہیں:۔

(۱) غیر مذاہب کے جارحانہ حملوں کا جواب۔

(۲) فرقی اور شکی تنازعات سے امور اتحاد میں متاثر نہ ہونا۔

(۳) جامع مانع علم کلام کی ترویج۔

ان تینوں امور میں حضرت مرزا صاحب نے بہترین پیش قدمی کی۔

(۱۲۰) حضرت مرزا صاحب نبی نہ تھے۔ اگر آج ہی مجھے سمجھ آجائے کہ مرزا صاحب نے حقیقی نبوت کا دعویٰ کیا تو میں اُن سے جدا ہو سکتا ہوں۔ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بقول حضرت مرزا صاحب ہر مدعی نبوت کو کافر جانتا ہوں۔ اشاعتِ اسلام کیلئے اور تفوقِ اسلام کو ثابت کرنے کے لیئے مذکورہ بالا دس اصولِ علم کلام کافی ہیں۔ انہیں لیکر دنیا میں نکل جاؤ۔ سب پر غالب ہو جاؤ گے۔

(۱۲۱) **ضمیمہ نمبر ۱**۔ جہاد کے متعلق حضرت مرزا صاحب کا ارشاد (منظوم)

(۱۲۲) مجدد وقت کا کام ہے کہ قوم کو ان راہوں سے روک دے جن پر چلکر وہ تباہ ہو جائیں اشعار بالا میں حضرت مرزا صاحب نے ایسا ہی کیا۔

(۱۲۳) **ضمیمہ نمبر ۲**۔ مکاشفہ میں حضرت اقدس مرزا صاحب کا تشریف لانا۔

(۱۲۴) **ضمیمہ نمبر ۳**۔ رؤیا۔

(۱۲۵) 〃 〃

(۱۲۶) احمدی بھائیوں کی خدمت میں عرض۔

(۱۲۷) مکاشفہ ورؤیا کی تشریح۔

(۱۲۸) 〃 〃

(۱۲۹) احمدی احباب کی خدمت میں عرض۔

(۱۳۱۰) مسلم دنیا کو اس لٹریچر سے بھر دو کہ حضرت مرزا صاحب حقیقی نبی نہ تھے۔ وہ محدث یا ظلی نبی تھے۔ وہ سلطان القلم تھے ہم کو اس رنگ میں اُن کا وارث ہونا چاہیئے۔ دنیا کو مرزا صاحب کی پیشین گوئیوں سے اطلاع دو۔ اس امر سے بھی ہم مدت سے غافل ہیں۔ اس کی غرض اتنی ہے کہ دنیا میں مکالمہ الٰہیہ کا وجود ثابت ہو۔ اس پر سوچو کہ آپ نے عربی میں کیوں تصنیف کی

(۱۳۱-۱۳۲) حضرت مرزا صاحب کی تصنیف انوار الحق حصہ اول و دوم میں پھر مجدد وقت نے انگلستان میں اشاعت اسلام پر زور دیا۔ آپ نے فرمایا کہ ملکہ وکٹوریہ کی اولاد اور ایسا ہی اُمرائے انگلستان اسلام کی طرف مائل ہونگے جو اس کام کے لیئے انگلستان میں جائے گا وہ اتقیا میں سے ہوگا۔

استعذار

عجلت کے باعث ایک تو یہ کتاب ٹکڑے ہو کر پانچ کاتبوں سے لکھوائی گئی — دوسرا کتابت کی غلطیاں کہیں کہیں رہ گئیں۔ خصوصاً صفحہ ۱۷ سطر تین پر۔

اگر در خانہ کس است یک حرف بس است

یا اخوانی! یرحمکم الله۔ انی ادعوکم الی امر سواء بیننا وبینکم ان نسعیٰ فی شیٔ یزید مکرمۃ سیدنا ومرشدنا المرزا فی الدنیا والاخرة فاسمعوا قولی وفکروا فیه۔

قد امنا ببعثت المسیح الموعود فی نفس سیدنا المرزا۔ واما ما روی المسلم فی کتابه فی نزول ابن مریم۔ فانه معارض لایات القراٰن الکریم الذی یقول قد مات المسیح الناصری ودخل الجنة کما وعد للمتقین۔ وما هم منها بمخرجین وکان عیسیٰ من النبیین ولیس لنبی ان یبعثه الله بعد خاتم المرسلین فلهذا لیس للمسیح الناصری ان یبعثه الله بعد نبینا بل یبعث غیره من امۃ محمدیؐ وهو منا وامامنا وهو المسیح الموعود ونحن نؤمن به۔

وانی اسئلکم لم تکفرون بنبوة المسیح الناصری بعد محمدؐ و تؤمنون بنبوة المرزا وهو بعث بعد خیر البریۃ۔ ولا ریب ان الله قد سمی سیدنا نبیًا ورسولًا فی الهامه لکن سمته علی طریق المجاز کما قال سیدنا فی کتابه یسمی "سراج المنیر" فاقرءوه ان کنتم لا تعلمون فانه یهدیکم الی سبیل الرشاد ویخرجکم من الظلمٰت الی النور۔

اتقولون ان سیدنا بدل عقائده فی ۱۹۰۳ء۔ ووالله هذا شیٔ تتقول علیه ولا تجده فی کلامه۔ لکن ابی سیدنا عن النبوة الحقیقیة فی سنۃ ۱۹۰۸ء ان کان یدعی النبوة کیف کتب فی **الاستفتا**۔ ان النبوة قد انقطعت

وان نبوته على طريق المجاز لا على وجه الحقيقية وانى اجد فى هذا الكلام ترديدًا لعقيدة الجديد -

اتزعمون ان هذا التبديل يزيد فى فضل سيدنا - ووالله لا تجعلونه نبيًا بل تجعلونه غبيًا لو كنتم تعلمون - افرءيتم ان الله لا يزال يقول له انت رسول ونبى وكان قاصرعن فهمه وهذا يدل على بلادة طبعه و نقص فهمه - معاذالله هو برئ من ما تصفون -

ذكروا وفكروا ان دعواه نبى على حديث النبوية - لم يبق من النبوة الا المبشرات - واما المبشرات الا جزء من النبوة ولا جزء سواء لكله وما مجاز سواء للحقيقة - ومن قال على خلافه ليس له علم لسان العربية ؞

الاحقر من عباد الله

بیادگار

قبلہ ام

حضرت

خواجہ جمال الدین صاحب مرحوم بی، اے انسپکٹر مدارس

محکمہ تعلیم ریاست جموّں و کشمیر

یہ چند اوراق اسلیئے لکھتا ہوں کہ خواجہ صاحب مرحوم میرے حقیقی

اور ہر معنوں میں محسن تھے۔ قارئین کرام میری درخواست پر انکے لیئے دعائے

مغفرت کریں ؂

خواجہ کمال الدّین

مافی الضمیر

مجدّدِ کامل

ان اوراق کے لکھنے کا موجب تو وہ رؤیا ہے جسے میں نے اس کتاب کے اخیر میں درج کیا ہے لیکن اسوقت جو خدا تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے مجھے کالمیّت حالت سے نجات دیکر بظاہر دوبارہ زندگی عطا فرمائی اور میرے دلمیں خدمت قرآن و اسلام کیلئے پہلے سے بھی بڑھکر جوش پیدا کر دیا ہے بلکہ یہ وہ جوش ہے جو پہلے کبھی نہ تھا تو میرے دلمیں بعض باتیں پیدا ہوئیں جنہوں نے مجھے ان اوراق کی تصنیف پر بھی آمادہ کیا حالات موجودہ میں مجھے امور ذیل بطور اصول متعارفہ نظر آتے ہیں۔ **اولاً** ہماری قوم اب **اشاعت اسلام کے سوا بچ نہیں سکتی**۔ **ثانیاً** ہم میں یکجہتی پیدا ہونی چاہیئے۔ اور **فرقی تنازع کا خاتمہ ہونا چاہیئے**۔ **ثالثاً** ہم سب کو اشاعتِ اسلام کیلئے ایک جان ہو کر کام کرنا چاہیئے۔

ان امور ثلاثہ سے تو کسی کو انکار نہیں ہو سکتا۔ لیکن امور دوم و سوم کے حاصل کرنیکے لیے ہمیں جس باہمی اعتبار، اور ایک دوسرے کے ساتھ اخلاص کی ضرورت ہے وہ مجھے کامل رنگ میں نظر نہیں آتا۔ بالفرض کسی مصلحتِ وقت نے اگر کسیوقت ہمیں کسی بات پر لا جمع بھی کیا اور ہم نے اپنی اندرونہ بدظنیوں کو جو ہمارے سینوں میں ایک دوسرے کے متعلق پنہاں ہیں چھپا کر وقت کیلئے اتفاق بھی پیدا کر لیا تو اس سے کبھی پائدار نتائج پیدا نہیں ہو سکتے۔ میں اپنی مثال عرض کرتا ہوں۔ خدا تعالیٰ مجھے تبلیغ اسلام کی طرف لیگیا۔ اور مجھے امداد بخشی۔ مجھے کامیابی بھی دکھلائی مسلمان بھائیوں نے بلا تمیز فرقی کھلے دل سے میری امداد کی۔ اسکا باعث ایک یہ بھی تھا کہ میں اپنے تبلیغی امور میں فرقی تنازعات سے الگ رہا۔ اور آج ثابت ہو گیا کہ یہی کامیابی کی حقیقی کلید ہے۔ میں نے تو اپنے ایمان اعتقاد کی رو سے یہ طریقِ عمل اختیار کیا۔ لیکن بعض نے اسے مصلحتِ وقت سمجھا۔ اور بعض میرے ساتھ مصلحتاً اسے ایک ضرورتِ وقت سمجھکر آن شامل ہوئے۔ مثلاً رنگون کے میرے ایک دوست نے ۱۹۲۰ء میں ہندوستان کے ایک بزرگ سے یہ دریافت کیا کہ **خواجہ** کی امداد مسلمانوں کو کرنی چاہیئے یا۔

نہیں ؟ اور وہ بزرگ مجھ سے بظاہر محبت بھی رکھتے تھے۔ انہوں نے بجواب لکھا کہ "ووکنگ کی کامیابی اور وہاں کے کام کے مفید اسلام ہونے سے کسے انکار ہو سکتا ہے وہ کام تو چلنا چاہیئے۔ لیکن یہ کام جسکے ہاتھ میں ہے۔ اسکے بعض حالات کہیں کہیں مخدوش ہیں۔ مگر مجبوری تو یہ ہے کہ اُس جیسا اس کام کا اہل ہمیں کوئی دوسرا نہیں ملتا۔ جب تک اس کام کو جسکا چلانا اِس وقت ایک اسلامی فرض ہو کوئی اور آکر نہ سنبھالے تب تک خواجہ کی امداد ضروری ہے"۔ یہ وہ مصلحت ہے جسکا خاتمہ ہونا چاہیئے۔ جہاں میں اشاعت اسلام کو ہی اسوقت اسلام کی زندگی کا ذریعہ سمجھتا ہوں وہاں میں کل قوم کے اشتراکِ عمل کو بھی ازبس ضروری جانتا ہوں۔ اور اشتراکِ عمل جہاں اخلاص و اعتبار کو چاہتا ہے اُسکے لیئے ضروری ہے کہ ہم ایک دوسرے کے حالات و عقائد سے اچھے واقف ہوں اسلیئے میں نے ضروری سمجھا کہ میں جو اسوقت ایک نئے جوش کے ساتھ اشاعت اسلام کی زندگی از سرِ نو اختیار کرنے لگا ہوں۔ اُسکے لیئے ضروری ہے کہ میں اپنے معتقدات سے برادرانِ اسلام کو واقف کردوں۔ میرے اس جوش کا باعث خصوصاً وہ اسلامی صداقتیں ہیں جنکا ایک حصہ میں نے اپنی تصنیف نو موسومہ بہ تمدنِ اسلام میں لکھا ہے خدا شاہد ہے کہ وہ اُمور اسطرح میرے ذہن میں کبھی پہلے نہیں آئے اگرچہ جو کچھ بھی اس کتاب میں لکھا وہ اُن باتوں میں سے تھوڑی ہیں جو میرے سر میں ہیں لیکن اُنسے میرا ایمان از سرِ نو تازہ ہو گیا۔ اور وہ ایسے امور ہیں کہ اور تو اور ایک لامذہب و دہریہ بھی اُنہیں قبول کرنے پر مجبور ہوگا۔ مجھے از سرِ نو یقین ہو گیا ہے کہ اِن امور کی اشاعت پر اسلام کی طرف غیر مسلم دنیا آسانی سے آسکتی ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ مسلم بھائی اُسے پڑھیں اور اُنپر عمل کریں۔ ممکن نہیں کہ ہم شوکت ماضی کیطرف آجائیں

ہم میں فروعی طور پر اختلاف ہیں لیکن اُن اختلافات کا ہونا تو ترقی کی روح رواں ہے۔ لازمۂ تمدن و تہذیب ہے یہی وہ اختلاف ہے جسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رحمت فرماتے ہیں۔ یہی وہ چیز ہے کہ جس کے نہ ہونے سے قوم میں جمود پیدا ہو جاتا ہے۔ جس سے قوم نیستی کیطرف جاتی ہے۔ الغرض یہ وہ اختلاف ہے جو دنیا کی ہر مثمر چیز کے اجزا ہیں درخت کی شاخوں کیطرح پیدا ہو کر اسے کمال تک پہنچا دیتا ہے لیکن شاخیں تبھی زندہ رہ سکتی ہیں۔ جب انکا مستحکم تعلق جڑ سے ہو۔ اور وہ ایک دوسری کی معاون ہوں۔ تبھی درخت پھل لاتا ہے

جس کا پتہ پتہ غرض متحدہ میں ساعی ہوتا ہے۔ اسی لیۓ اس استحکام کے لیۓ اسلام میں اصولاً فرقہ کا نام نہیں لیکن فرقے پیدا ہوئے اور ہونگے اور رحمت ہیں گو ذاتیات نے اگر انہیں ہماری ہلاکت کا موجب ٹھیرایا ہے۔ یاد رہے کہ جس فرقے نے باقی اسلامی فرقوں سے اصولِ اسلام میں جدائیگی اختیار کی اور اُن سے نفرت کی وہ ہم میں سے نہیں۔

میں نے حضرت مرزا غلام احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ قادیانی کی کل تصنیفات کو تقریباً دیکھا ہیں اُنکے دعاوی سے خوب واقف ہوں۔ میں بروئے بصیرت کہہ سکتا ہوں کہ اُنہوں نے کسی ایسی بات کی تعلیم نہیں فرمائی جو اسلام کے کسی اصول کے خلاف ہو۔ انہوں نے کوئی ایسا عقیدہ تجویز نہیں کیا جس میں اُنکے ساتھ اس اُمت کے صالحین ماضی نہ ہوں۔ ہاں اُن کا یہ فرمانا کہ میں فلاں امر پر مامور ہو کر آیا ہوں یا میں صاحب الہام ہوں۔ یہ امور فی نفسہٖ غلط نہیں وہ کسی اُمتی کے لیۓ مستبعد نہیں ہیں اور نہ وہ اُسے اسلام سے باہر کر سکتے ہیں۔ رہا یہ کہ جناب مرزا صاحب اپنے دعوے میں صادق ہیں۔ یہ شخصی تحقیق کو چاہتا ہے۔ اور اس کا علم حقیقی تو خدا تعالیٰ کو ہی ہے لیکن کسیکو مجدد وقت یا کسی نبی کا مثیل مان لینا قرآن وحدیث کے خلاف نہیں بلکہ اُسکا دعوےٰ تو مصدق حدیث ہوگا۔ اور مخبر صادق کے قول پر ایمان رکھنے والے صدی کے سر پر کسی مجدد کی بعثت سے انکار نہیں کر سکتے۔ اسکے علاوہ میں کوئی امر بھی بطور خصائص حضرت مرزا صاحبؒ کی تعلیم میں نہیں پاتا۔ میں خدا کو حاضر و ناظر جانکر اس بات کی بھی شہادت دیتا ہوں کہ جناب مرزا صاحبؒ کی لاہور کی جماعت کسی ایسی بات پر اعتقاد نہیں رکھتی جسکے خلاف قرآن حدیث ہو۔ میں اسموقع پر قادیانی بھائیوں کے خلاف کچھ نہیں کہتا۔ مسلم بھائی خود اُنکے حالات پر غور کر لیں میں اپنے سارے عقائد کو سامنے رکھکر یہ کہتا ہوں کہ ہم حضرت محمد رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خاتم النبیین مانتے ہیں۔ آپکے بعد نبوت کا دروازہ مسدود سمجھتے ہیں۔ ہم ہر ایک کلمہ گو کو مسلمان اور اپنا بھائی سمجھتے ہیں اور کسی اہل قبلہ کی تکفیر کو حضرت امام ہمام ابو حنیفہ علیہ الرحمۃ کی طرح حرام جانتے ہیں۔ قرآن کو خاتم الکتب مانتے ہیں۔ اور اگر آنحضرت صلعم کے بعد آپکے ہی ارشاد کے مطابق مبشرات الہام کو امت مرحومہ میں جاری سمجھتے ہیں تو وہ بھی اسرار قرآن و غوامض شریعت کے سمجھنے کیلئے اور ازدیاد ایمان کے واسطے

ضروری سمجھتے ہیں۔ میں نے ان اوراق میں اپنے ہر ایک عقیدہ کو تشریح کیساتھ لکھدیا ہی اور یہ بھی ظاہر کیا ہی کہ اُن عقاید پر چلنے کی ہمیں کیوں ضرورت ہی۔ میرے نزدیک ہمیں ایک بھی ایسی بات نہیں جو خدا اور رسول ؐ کی تعلیم کے خلاف ہو۔ اسلئے میں چاہتا ہوں کہ مسلم برادر اس کتاب کو بالاستیعاب پڑھیں اور اگر میرے عقائد میں کوئی ایسی بات نہ دیکھیں جو سلف صالحین نے قبول نہیں کی تو پھر اُسی شرح صدر کے ساتھ میرے ساتھ اشاعت اسلام میں اشتراکِ عمل کریں جسطرح بہت سے مسلمان بھائی آجتک میرے ساتھ شامل رہے ہیں۔ میں ایمان کہتا ہوں کہ ان گزشتہ پچیس سالوں میں دنیا ہمپر اب وہ زمانہ لے آئی ہی کہ جسنے غیر محسوس طریق پر تعلیم اسلام کو دلوں میں جاگزین کردیا ہی۔ خود سائنس اور دیگر علمی تحقیق نے اسوقت اس زمین کو تیار کردیا ہی جو تخم اسلام کو آسانی سے قبول کرلیگی۔ اس آسمانی فصل کے لیئے ہمیں فقط مزارعین کی ضرورت ہی۔ اور وہ اس اشتراک عمل کو چاہتی ہی جس کی بنیاد مصلحتِ وقت پر نہ ہو بلکہ اخلاص پر ہو۔

میں دل سے دعا کرتا ہوں کہ ہم مسلمان بھائیوں میں خدا اتفاق پیدا کرے اور ہم یک جان ہو کر اپنے فرائض کی ادائیگی میں سینہ سپر ہوجائیں۔ ہم نکمے جھگڑوں سے ارفع ہو کر اسلام کی عزت سامنے رکھیں اور یاد رہے کہ خصوصًا احمدیوں کا کام لفظًا اور معنًا اشاعتِ اسلام ہونا چاہیئے۔ اسکے ضروری سامان خود بخود پیدا ہوجائینگے۔ جب تک ہم میں جاں نثاری کا یہ رنگ پیدا نہ ہوگا ہم دنیا میں بحیثیت قوم زندہ نہیں رہ سکیں گے۔ اور اگر ہم یک جان ہوگئے خواہ نام نہادی طریق پر ہم کچھ کہلائیں لیکن ہم مسلمان ہیں تو تھوڑے سے برسوں میں ہم ہی دنیا کے سرتاج ہونگے۔

۴- دسمبر ۱۹۳۰ء

خواجہ کمال الدین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مُجدّد کامل

چار سال ہوئے ۔ جب میں ایک مسلم ریاست میں تھا ۔ ایک دن مجھے حکم ملا کہ میں فلاں وقت دربار شاہی میں حاضر ہوں ۔ میں جب گیا تو دربار کے ایک کمرہ میں میں نے والئے ملک کو دیکھا ۔ اُن کے علاوہ ریاست کے مفتی اعظم اور وہاں کے قاضی القضاۃ بھی موجود تھے ۔ کچھ دیر کے لئے تو فرمانروائے مذکوران بزرگوں کے ساتھ بعض امور مملکت پر گفتگو فرماتے رہے ۔ اِس کے بعد اُنہوں نے فرمایا کہ خواجہ صاحب آپ کا کاروبار رحمانی ہے یا شیطانی ۔ میں نے عرض کیا کہ آپ کو تو ذاتی تجربہ ہے ۔ اور ووکنگ کے حالات سے بھی آپ ذاتی طور پر بخوب واقف ہیں ۔ میری ہر قسم کی تصنیف آپ کی نگاہ میں آ چکی ہے ۔ آپ نے خود میرے کام کو کیا پایا ۔ بجواب انہوں نے فرمایا کہ میں نے تو آپ کے کاروبار کو رحمانی ہی دیکھا ۔ لیکن یہ بزرگ (یعنی علماء دین) اُسے ایسا نہیں سمجھتے ۔ میں نے بجواب عرض کیا کہ جو کچھ یہ کہتے ہیں یہ کسی ضد کا نتیجہ نہیں ۔ ان کو ہمارے حالات کے متعلق صحیح علم نہیں ملا ۔ اور اس غیر صحیح علم کی بنا پر جو یہ کہتے ہیں اپنے خیال میں درست کہتے ہیں میرا حق نہیں کہ میں ان سے ناراض ہوں ۔ میرا یہی فرض ہے کہ میں اصل واقعات سے ان کو اطلاع دے دوں ۔ کیوں کہ میں اِنہیں نیک نیت سمجھتا ہوں ۔ اور مرشدنا حضرت مرزا صاحب مغفور کے اس ارشاد پر عمل کروں ؎

اے دِل تو نیز خاطرِ اینان نگاہدار ۔۔۔ کآخر کنند دعویٰ حبِّ پیمبرم

غلط فہمی کے باعث اختلاف ہو رہا ہے ۔ بہر حال میں آپ کا مشکور ہوں کہ آپ نے

آج ایک اچھا موقعہ مجھے دے دیا ہے۔ میں اِن کے سامنے اپنے عقائد کو بیان کر دیتا ہوں۔ پھر آپ ہی ان سے دریافت کر لیویں کہ میں کہاں تک راہِ ہدایت یا راہ ضلالت پر قدمزن ہوں۔

یہ تو ظاہر ہے کہ میں نے اِن تیرہ سالوں میں جو کچھ لکھا اسے فرقی تنازعات سے الگ رکھا۔ یہ کسی مصلحت کا نتیجہ نہیں۔ در اصل حضرت مرزا صاحب کے دعویٰ کے علاوہ آپکی تعلیم میں ایک بھی بات نہیں جسے خصائص احمدیت کہا جاوے۔ اور جسے یہ بزرگ تسلیم نہ کرتے ہوں۔ مرزا صاحب نے ۱۹۰۵ء میں ایک کتاب حقیقت الوحی لکھی۔ اس میں کوئی تین چار سطریں ایسی ہیں۔ جنہوں نے ہمارے احباب قادیان کو اس غلو پر آمادہ کر دیا جس کے ماتحت مرزا صاحب کی نبوّت پر زور دیا گیا۔ حالانکہ یہ بھی وہ لوگ تسلیم کرتے ہیں۔ کہ ۱۹۰۲ء سے پہلے حضرت نے مدت العمر یہی عقیدہ رکھا کہ آنحضرت صلعم پر نبوّت ختم ہو چکی ہے، اوران کے بعد کسی نبی نے بھی نہیں آنا۔ چنانچہ آپنے یہ بھی لکھا ہے۔ کہ آنحضرت صلعم کے بعد جو بھی مدعی نبوّت ہو۔ یا جو ایسے مدعی پر ایمان لائے۔ وہ کافر و دجّال ہے اور خارج از دائرہ اسلام ہے۔ لیکن اصحاب قادیان یہ کہتے ہیں کہ ۱۹۰۲ء یا ۱۹۰۳ء میں بانئ احمدیت نے اپنا عقیدہ بدل لیا اوران پر ظاہر ہوا کہ میں نبی ہوں یہ امور تو کسی قدر بحث کو چاہتے ہیں۔ لیکن میں ایک موٹی بات عرض کرتا ہوں۔ اسی کتاب حقیقت الوحی میں مصنف نے ایک ضمیمہ بطور استفتا لگایا ہے۔ اس میں صاف صاف اپنے عقائد اور اپنے دعویٰ کا ذکر کیا ہے۔ جہاں ایک طرف لکھا ہے کہ میرے عقائد میں کوئی بھی ایسی بات نہیں۔ جسے اوروں نے تسلیم نہ کیا ہو۔ وہاں اپنے دعویٰ نبوّت کی تشریح میں لکھدیا کہ اگر الہام الٰہی نے میرا نام نبی رکھا ہے تو وہ مجازاً ہی

ل۔ یہ گفتگو ۱۹۲۷ء کے آغاز میں ہوئی۔

وہ حقیقی طور پر نہیں - والّا نبوّت تو محمّد مصطفےٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر قطع ہو چکی - یہ اَمر یاد رکھنے کے قابل ہے کہ یہ عبارتیں بطور استفتاء لکھی گئی ہیں - اور کسی اصطلاحی رنگ میں نہیں لکھی گئیں حضرت مرزا صاحب اہل قلم تھے - اول تو اُن کا حق ہی نہیں کہ اپنی تصنیف میں ایک لفظ بھی ایسے معنوں میں استعمال کریں جو دوسروں کے مفہوم میں کوئی اور معنی رکھتا ہو - ہاں اُن کا حق ہے کہ کسی ضرورت پر اگر وہ ایسا کریں تو ساتھ ہی تشریح کریں - لیکن استفتاء میں اُن کا فرض تھا کہ کوئی لفظ بھی ایسا نہ لکھیں جو مفتی کے نزدیک کوئی اور معنی رکھتا ہو - الغرض اِس استفتاء نے دو باتیں طے کر دیں - ایک یہ کہ تعلیم احمدیت میں کوئی ایسی بات نہیں جو سلف صالحین کے ایمانیات میں سے نہ ہو - دوسرا نبوّت منقطع ہو چکی ہے اور ان کی نبوّت سے مُراد صرف اسی قدر ہے کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے بعض امور مبشرہ اُن پر ظاہر ہوں۔

اب میں اپنا عقیدہ ان بزرگوں کے سامنے پیش کر دیتا ہوں اور ان سے ہی دریافت کرتا ہوں کہ اگر میں غلطی پر ہوں تو میری اصلاح کر دیں اور میں انشاء اللہ اپنے عقائد سے اگر وہ غلط ہوئے تو رجوع کر کے علی الاعلان ان سے اپنی برأت ظاہر کروں گا - اور جو کچھ میں اپنے عقیدہ کے طور سے بیان کرتا ہوں - وہی عقیدہ حضرت مرزا صاحب کا تھا۔

میں خدا کو واحد مانتا ہوں اور محمّد عربی کو خدا کا رسول جانتا ہوں - قرآن کو خدا کی طرف سے تسلیم کرتا ہوں - اور اُس کے ہر ایک حکم کو اپنے پر واجب الاطاعت سمجھتا ہوں - میں نماز پڑھتا ہوں - احکام زکوٰۃ پر عامل ہوں - مسلمانوں کا ذبیحہ کھاتا ہوں - غیر ذبیحہ سے بچتا ہوں۔

جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے آنحضرت صلعم کے نزدیک یہی چند باتیں ایک شخص کے مسلمان ہونے کے لئے کافی ہیں - لیکن میں مزید تشریح کے طور پر کہتا ہوں کہ ہم احمدی روز آخرت جزا و سزا - ملائکہ - مرسلین - حشر اجساد پر ایمان رکھتے ہیں - ہم پانچوں ارکان اسلام کے عملاً قائل ہیں - اجتہاد میں ہم بہت حد تک حنفی المذہب کی پیروی کرتے ہیں - حدیث کو قرآن

کے بعد واجب التسلیم قرار دیتے ہیں۔ اب میں ان امور کا ذکر کرتا ہوں جو حضرت مرزا صاحب کی ذات کے متعلق ہیں۔ سب سے اوّل ہم لوگ اس حدیث پر ایمان رکھتے ہیں جس نے ہر صدی کے سر پر ایک مجدّد کا وعدہ کیا۔

اور اسی جماعت مجدّدین میں ہم حضرت امام غزالی، حضرت عبدالقادر گیلانی۔ حضرت معین الدین چشتی۔ حضرت شیخ احمد سرہندی۔ اور حضرت شاہ ولی اللہ کو اسی جماعت کے معزز اراکین سمجھتے ہیں۔ اسی عقیدہ کے ماتحت ہم تسلیم کرتے ہیں کہ اس صدی کے سر پر بھی کسی مُجدّد نے آنا تھا۔ اِس صدی سے جو بھی مُراد لی جاوے۔ وہ وقت گذر چکا ہے۔ اگر صدی کو چار حصوں میں تقسیم کیا جاوے تو کسی صدی کے آخری پچیس برس یا اُس کے پہلے پچیس سال صدی کا سر کہلائیں گے۔ اب ہمارے زمانہ کا مجدّد ۱۲۷۵ سے لیکر ۱۳۲۵ کے درمیان کسی نہ کسی وقت ظاہر ہو جانا چاہیئے۔ حضرت مرزا صاحب نے تو دعویٰ مجددیت ۱۳۰۰ھ[1] میں کیا۔

اب سوال یہ ہے کہ اس حدیث کو کس رنگ میں لیا جاوے۔ جن لوگوں کو مسلّمہ اولیا ہم[2] تسلیم کئے ہوئے ہیں اور مجدّد وقت مانتے ہیں۔ انہوں نے اپنے دعویٰ کے ثبوت میں اِس حدیث سے تمسک کیا ہے۔ اور یہ تمسک برابر ۱۳۰۰ برس تک ہوتا رہا۔ چنانچہ اسی جماعت کے پہلے بزرگ حضرت عمر بن عبدالعزیز تھے۔

ایک طرف اس حدیث کا معتبر سے معتبر کتابوں میں پایا جانا۔ دوسری طرف اِس پایہ کے صالحین کا اِسے تسلیم کرنا۔ اِس حدیث کی صحت پر ایک زبردست دلیل ہے اب سوال یہ ہے کہ چودھویں صدی کا مجدد کون ہے۔

---

۱ اس کے متعلق آپ نے یہ بھی کہا کہ خدا تعالیٰ نے میری توجہ الفاظ "غلام احمد قادیانی" کے اعداد ابجدی کی طرف منعطف کی۔ جب میں حساب ابجد کے رو سے اِس جملہ کے عدد گنتا ہوں تو وہ ۱۳۰۰ بنتے ہیں۔

۲ مثلاً حضرت شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی۔ حضرت احمد مجدد الف ثانی۔ حضرت امام غزالی۔

ہمارا زمانہ ایک معلومات کا زمانہ ہے۔کل دنیا ہمارے سامنے ہے ہم یہ نہیں کہہ سکتے۔کہ شاید کسی اور ملک میں کسی نے دعویٰ کیا ہوگا۔آخر ہم سوڈانی مہدیوں کو بھی جانتے ہیں اور بہائی عقائد سے بھی واقف ہیں۔الغرض ان پچیس سالوں میں کسی بزرگ نے بھی اس حدیث کے ماتحت دعویٰ مجددیت نہیں کیا۔رہ سہ کے اگر کوئی آواز آئی ہے تو قادیان سے آئی ہے۔یہ امر دوست دشمن مان چکے ہیں کہ حضرت مرزا صاحب متقی تھے وہ صاحب ریاضت تھے۔ان کی خدمتِ اسلام بھی مسلّم ہے۔اُن کے دعویٰ کے ماننے میں بھی لوگوں کو کم ہی تامل ہوتا۔اگر مسیحیت کی جزو اس میں شامل نہ ہوتی۔لیکن میں اس وقت صرف مجددیت کے متعلق عرض کر رہا ہوں۔میں ایک مُسلمان ہوں۔میرا فرض ہے کہ میں اس حدیث کی تصدیق کروں۔یہ بالکل ممکن ہے کہ مرزا صاحب خدا کے نزدیک اپنے دعویٰ میں سچے نہ ہوں۔لیکن میں نے اِن میں کوئی بھی کاذبوں کی علامت نہیں دیکھی۔بلکہ ان کا ایک الہام ہے لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُرًا مِّن قَبْلِهِ أَفَلَا تَعْقِلُونَ (میں ایک عمر تک تم میں رہ چکا ہوں کیا تم غور نہیں کرتے) اِس سے مراد یہ ہے کہ جب میں نے آج تک کسی انسان پر افترا نہیں باندھا۔تو پھر خدا پر کِس طرح باندھتا ہوں۔لیکن میں بفرضِ محال تسلیم کر لیتا ہوں کہ خُدا کے نزدیک ان کا دعویٰ صحیح نہ ہوگا۔لیکن میرے پاس اُن کی تکذیب کی کوئی وجہ نہیں۔اگر یہ صحیح حدیث ہے اور ہے اور اس کے ماتحت کسی مجدّد نے ظاہر ہونا ہے جیسا کہ آج سے پہلے ہر صدی کے سر پر ایک نہ ایک مجدّد ظاہر ہوا۔اور جو مجددین کی شناخت کا معیار ہے وہ مدعی میں موجود ہے اور میں نے ان کے اس دعویٰ کے قبول کرنے میں نیک نیتی سے کام لیا۔تو پھر میں ان بزرگوں سے پوچھتا ہوں کہ ایسا کرنے میں میں نے اِسلاماً کہاں غلطی کی اور کس طرح میں خدا کے نزدیک قابل مواخذہ ہوں۔

اب میں حضرت صاحب کی مسیحیت کے متعلق کچھ عرض کرتا ہوں۔سب سے اول حیات و وفات مسیح کا مسئلہ ہے۔میں آپ کے سامنے اس لمبی بحث میں پڑنا نہیں چاہتا۔میں

اسی قدر عرض کرتا ہوں کہ یہ مسئلہ ابتدا سے ہی ایک اختلافی مسئلہ ہے خود صحابہ میں بعض وفات مسیح کے قائل تھے۔ ان کے بعد ائمہ اربعہ کو چھوڑ دیا جاوے۔ کیوں کہ اس امر میں اُن کا عقیدہ ایک بحث طلب امر ہے۔ ابن قیم۔ ابن تیمیہ ابن حزم کھلے لفظوں میں وفات مسیح کے قائل تھے۔ اولیا کرام میں سے حضرت داتا گنج بخش صاحب اپنی کتاب المحجوب میں اسی عقیدہ کے قائل نظر آتے ہیں بہرحال سلف صالحین میں دو جماعتیں ہیں انہیں سے قائلین وفات مسیح کسی مواخذہ شرعی کے ماتحت نہیں آتے۔ تو میں اس عقیدہ کے لئے کس طرح قابل گرفت سمجھا جاؤں۔ اب اگر جناب مسیح فوت ہو چکے ہیں اور قرآن ببانگ دہل اعلان کرتا ہے کہ اس دنیا سے جو ایک دفعہ چلا گیا وہ واپس نہیں آتا تو لازماً آمد مسیح کی پیشگوئی سے کسی ایسے شخص کی بعثت مراد ہوگی۔ جو کسی رنگ میں خدا کے نزدیک مسیح ناصری سے مماثلت رکھتا ہو، اور مشہور حدیث علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل نے اس بات کو تسلیم کیا ہے کہ صالحین امت میں سے بعض بزرگ اسرائیلی انبیاء جیسے ہوں گے تو پھر یہ تسلیم کر لینا کہ آنحضرت صلعم کے غلاموں میں سے ایک غلام مسیح جیسا ہے اور حدیث نزول مسیح کا وہی مصداق ہے تو پھر ایسا عقیدہ رکھنے میں کوئی شخص کہاں تک شرعاً قابل گرفت ہو سکتا ہے۔ میں پھر عرض کرتا ہوں کہ ممکن ہے کہ حضرت مرشدنا مرزا صاحب اپنے دعویٰ مسیحیت میں خدا کے نزدیک سچے نہ ہوں لیکن میری ان معروضات کے رو سے اگر کوئی امتی مجددیت کا دعویٰ کرلے اور اپنے آپ کو نزول مسیح والی حدیث کا مصداق ٹھہرائے تو یہ امر اسلاماً مستبعد نہیں اور ایسے عقیدے قابل گرفت نہ سمجھے جائینگے سوال صرف مرزا صاحب کی شخصیت کا رہ جاتا ہے۔ باقی جو کچھ آپ نے کہا ہے یا جو کچھ بھی ان کے دعویٰ کے متعلق تسلیم کرنا ضروری ہے وہ خصائص میں سے نہیں۔ پھر ان عقائد کو کیوں بُرا کہا جاوے۔ رہا میرا حضرت صاحب کے دعویٰ کو قبول کرنا سو میں نے اُس معیار کو اپنے ہاتھ میں لیا۔ جو قرآن نے تجویز کیا۔ میں تسلیم کرتا ہوں کہ میں کسی بزرگ کے نزدیک غلطی پر ہوں گا۔ لیکن جو کچھ میں نے کیا وہ نیک نیتی سے کیا۔ جن امور میں میرے دل

گذرے ہیں وہ تو دنیا کی نگاہ میں خدمت اسلام ہے۔ میں اپنے عقائد میں بظاہر غلطی پر نہیں تو پھر میرے کاروبار کو شیطانی ٹھہرانا یا تو غلط فہمی کی بنا پر ہے یا ضدیت ہے۔

میں ان بزرگوں کو ضدیت سے بری جانتا ہوں۔ میں نے کسی قدر تشریح کے ساتھ اپنے عقائد بیان کردیئے ہیں۔ میں اس وقت ان سے مطالبہ نہیں کرتا کہ ہاں یا نہ کہہ کر اُٹھیں۔ میں نے اپنی معروضات پیش کردی ہیں۔ وہ اس پر غور کریں اور اگر کبھی وہ اس نتیجہ پر آویں۔ جن سے میری غلطی ثابت ہو تو مجھے بلوا بھیجیں۔ میں اپنے اطمینان کے بعد جس نتیجہ پر آؤں گا اُسے اعلان کردوں گا۔

میں ان ہر دو بزرگوں کا شکر گذار ہوں کہ انہوں نے میری باتوں کو نہایت توجہ اور خاموشی کے ساتھ سُنا۔ خاتمہ پر حضرت والئے ملک نے فرمایا۔ کہ "خواجہ صاحب آپ کو میری طرف سے مبارکباد ہو کہ آپ نے اپنی پوزیشن کو بالکل صاف کردیا۔ میں نے تو جس نتیجہ پر آنا تھا میں اُس پر مُدت سے قائم ہوں۔ البتہ ہمارے ان علماء کو آپ موقعہ دیں کہ یہ اس سوال پر غور کریں اور آپ لوگ رخصت ہوں۔"

میں نے قریب قریب وہی باتیں بغیر کسی حاشیہ کے اوپر لکھ دی ہیں۔ جو میں نے اُس وقت کہیں۔ گو وہ ایک سمجھ دار انسان کے لئے کافی ہیں جب قرآن کریم کا حکم ہے کہ کونوا مع الصّادِقِیْن (تم صادقوں کے ساتھ ہو جاؤ) اگر یہ حکم مجھ پر بحیثیت مُسلمان عائد ہوتا تو اسکی عزت کرنا ہر ایک مُسلمان کا فرض ہے۔ تاہم یہ سطور کسی قدر تشریح کی محتاج ہیں۔

میں نے اوّل تو اسبات پر اُس فرماں روا کے سامنے زور دیا کہ احمدیّت میں کوئی خصوصی تعلیم نہیں اور اگر کوئی بات خصائص احمدیّت کی مصداق ہوسکتی ہے تو وہ حضرت مرزا صاحب کا ذاتی دعویٰ ہے جسے احمدی جماعت نے تسلیم کیا۔

اس میں شک نہیں کہ مخالفین احمدیّت نے اوروں کو ہم سے دُور رکھنے کے لئے مدت سے یہی کہنا شروع کیا ہوا ہے کہ احمدیّت کی وہ تعلیم نہیں جو اسلام کے سلف صالحین کی ہے

عامۃ الناس تو ان امور کی تحقیق نہیں کرسکتے اور ان کے بھڑکانے کے لئے یہ امر کافی ہے کہ ہمارے خصائص میں کچھ ایسی باتیں ہیں جو اسلام میں تو پائی نہیں جاتیں۔ اس لئے ان کا ہم سے جدا رہنا ہی بہتر ہے۔ لیکن میں تو حضرت مرزا صاحب کی تصنیف میں ایک بات بھی نہیں پاتا جو سلف صالحین میں سے کسی نہ کسی کے عقیدہ میں نہ ہو۔ احمدیت وہی ہے جو سلف صالحین کے مسلمات میں سے ہے۔ اگر وہ باتیں سلف صالحین کی نہیں تو عامۃ الناس کا حق ہے کہ وہ ہم سے جدا رہیں۔ دوسری طرف میں مخالفین احمدیت سے دریافت کرتا ہوں کہ وہ کسی ایک امر کو پیش کریں۔ جو عقائد صالحین میں نہیں آچکا۔ اور اگر کوئی ایسی بات ہے تو بیشک وہ ہم سے دور رہیں۔ آداب دربار کے لحاظ سے فرمانروائے موصوف کے سامنے تو میں بعض امور کی تشریح نہ کرسکتا تھا۔ لیکن یہاں ذیل میں دکھلانا چاہتا ہوں کہ ہمارا کوئی بھی عقیدہ ایسا نہیں اور نہ کوئی ایسی راہ ہم نے اختیار کی ہے کہ جس پر بعض بزرگان دین قائم نہ ہوں۔ حضرت مرزا صاحب تمام ارکان اسلام پر ایمان رکھتے تھے جن پر کُل مسلمانوں کا ایمان ہے۔ یعنی کلمۂ طیبہ، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، آپ ان پر عامل تھے احمدی حج بھی کرتے ہیں۔ میں نے خود دو حج کئے ہیں۔ ہم صیام و زکوٰۃ کے پابند ہیں میں احمدیوں میں نماز کے کسی رکن میں کوئی فرق نہیں دیکھتا۔ وہی ماثورہ الفاظ ہم نماز میں پڑھتے ہیں جو آنحضرت صلعم سے مروی ہیں۔ نماز میں ہم اہل قبلہ ہیں۔ وہی قیام۔ قعود، رکوع اور سجود ہے۔ ایمانیات میں اللہ ملائکہ۔ کتب۔ رسل۔ یوم آخر۔ حشر اجساد۔ اور خدا کے مقرر کردہ خیر و شر کے اندازوں پر ایمان رکھتے ہیں۔ قرآن کریم کو ہم خدا کی آخری کتاب مانتے ہیں۔ پھر وہ کونسی بات ہے جو تعلیم احمدیت میں خلاف اسلام ہے۔ بعض مخالفین نے محض افترا کے طور پر یہ مشہور کر رکھا ہے۔ کہ احمدی لوگوں نے اپنے لئے کوئی اور کلمہ تجویز کیا ہے۔ احمدیوں میں سے جو اصحاب اب حضرت مرزا صاحب کو نبی ماننے لگے ہیں۔ انہوں نے بھی تو کلمۂ طیبہ میں کوئی تبدیلی نہیں کی۔ یہ بالکل

صحیح ہے کہ جس صورت میں وہ نبوّت مرزا صاحب پر ایمان رکھتے ہیں۔ اور منکرانِ نبوّت مرزا صاحب کو کافر جانتے ہیں تو منطقی طور پر صحیح قیاس یہی ہو سکتا ہے کہ اُن کے نزدیک کلمۂ طیبہ کا اقرار اور اس کی تصدیق کسی شخص کو مسلمان بنانے کے لئے کافی نہیں اور یہ ظاہر ہے کہ کلمۂ طیبہ میں حضرت مرزا صاحب کی رسالت کا تو ذکر نہیں لہٰذا جو ان کا اسلام ہے اسکی تصدیق کسی ایسے کلمہ سے ہونی چاہیئے جس میں حضرت مرزا صاحب کا ذکر ہو یعنی لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ و مرزا غلام احمد نبی اللہ یہ ایک بدیہی نتیجہ ہے اور اس کے ہوتے ہوئے کسی غیر احمدی کا یہ کہہ دینا کہ ان لوگوں کا کلمہ ہی اور ہے۔ کوئی بے وزن الزام نہیں۔ لیکن امر واقعہ یہی ہے کہ کوئی قادیانی ہو یا لاہوری ہر ایک کا کلمہ یہی ہے یعنی اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ ؕ

میں نے فرمانروائے موصوف کے آگے وفات مسیح کا ذکر بھی مجملاً کیا یہ صحیح بات ہے۔ کہ جب تک یہ مسئلہ صاف نہ ہو کسی امتی کو حق نہیں پہنچتا کہ وہ مسیح ہونے کا دعویٰ کرے۔ گو جدید تعلیم نے کسی کا آسمان پر دو ہزار برس سے زندہ رہنا ایک امر ناممکن سمجھ لیا ہے اور نو تعلیم یافتہ گروہ میں سے بہت کم ایسے ہوں گے جو مسیح کو زندہ مانیں۔ وہ فوراً کہدیں گے کہ یہ قوانین قدرت کے خلاف ہے لیکن میں ان میں سے نہیں۔ میں ہر ایک امر خارق کے ماننے کو تیار ہوں۔ اگر قرآن صاف الفاظ میں اس کی شہادت دے۔ میں اس لئے سیدنا مسیح کو وفات شدہ سمجھتا ہوں کہ قرآن نے یونہی فرمایا ہے۔ یوں تو کوئی تیس ایک آیات قرآن میں ہیں۔ جو وفات مسیح پر بہ نص صحیح یا باشارہ دلالت کرتی ہیں۔ لیکن جن دو تین آیات نے سب سے اول مجھے وفات مسیح کی طرف توجہ دلائی وہ حسب ذیل ہیں:۔

وَاللّٰہُ یَعْلَمُ مَا تُسِرُّوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ وَالَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ لَا یَخْلُقُوْنَ شَیْئًا وَّھُمْ یُخْلَقُوْنَ اَمْوَاتٌ غَیْرُ اَحْیَآءٍ وَّمَا یَشْعُرُوْنَ اَیَّانَ یُبْعَثُوْنَ (سورۂ نحل ۲۰-۲۱) یعنی جن کو یہ لوگ خدا کے علاوہ (خدا سمجھ کر) پکارتے ہیں انہوں نے کوئی چیز

پیدا نہیں کی بلکہ وہ خود پیدا شدہ ہیں وہ مر چکے ہیں ان میں سے کوئی زندہ نہیں۔ اور وہ اس دن کو نہیں جانتے کہ وہ کب اُٹھائے جائیں گے۔

کسی عیسائی کے گھر میں بوقتِ نماز یہ جا کر دیکھ لو۔ کسی گرجے میں ہم جائیں۔ ہم جناب مسیح کو عیسائی دعاؤں میں مخاطب پائیں گے۔ یعنی فرقہ موحدین کے سوا کل عیسائی دنیا نہیں خدا مانتی ہے اور حاجات کے وقت خدا کی طرح پکارتی ہے اور اس آیت کے رُو سے جناب مسیح زندہ نہیں رہ سکتے۔ پھر آیت کے اخیر میں ایک لطیف بات ہے جو الوہیت مسیح کے خلاف پڑتی ہے۔ جناب مسیح نے تسلیم کیا ہے کہ وہ نہیں جانتے کہ کب قیامت کا دِن ہو گا۔ اسی ضمن میں ایک حدیث بھی ہے آنحضرت صلعم نے فرمایا۔ کہ غیر اللہ میں سے کوئی معبود اس وقت موجود نہیں جو سو سال کے اندر مر نہ جائے۔ اگر بفرضِ محال آنحضرتؐ کے وقت مسیحؑ جو تھے آسمان پر زندہ بھی تھے تو سو سال کے اندر مر چکے ہوں گے۔

دوسری آیت جس نے علمی رنگ میں مجھ پر متحقق کر دیا کہ جناب مسیحؑ مر چکے ہیں وہ حسب ذیل ہے۔ کوئی ذی علم اس آیت کے ہوتے ہوئے مسیحؑ کو زندہ نہیں مان سکتا۔

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۔ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِہِ الرُّسُلُ اَفَاِئِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓی اَعْقَابِکُمْ یعنی محمدؐ ایک رسول ہے۔ اس سے پہلے رسول مر چکے ہیں۔ اگر وہ مرے یا قتل ہو جائے تو کیا تم پسپا ہو جاؤ گے۔

یہ ایک منطقی مقدمہ ہے۔ جس کا "صغریٰ" یہ ہے "محمدؐ رسول ہے" اس کا "کبریٰ" یہ ہے محمدؐ سے پہلے رسول گذر چکے ہیں۔ اصول منطق کے رُو سے ہر صغریٰ میں۔ جو بھی مبتدا ہو وہی نتیجہ مقدمہ میں مبتدا ہوتا ہے اور نتیجہ کی خبر وہ ہوتی ہے جو کبریٰ کی خبر ہوتی ہے اب کبریٰ میں قد خلت بطور خبر واقعہ ہوا ہے۔ جس کے معنی میں نے "مر چکے" کئے ہیں۔ لیکن بالفرض اس کے معنی گذر چکے لے لئے جاویں تو چونکہ نتیجہ میں مبتدا محمدؐ ہے اور مرتا بطور خبر بالفاظ قرآن واقع ہوا ہے اس لئے خلت کے معنی لازماً "مر چکے"

ہوں گے۔ لہذا آیت شریفہ کے معنی یہ ہوئے "محمدؐ رسول ہے۔ اس سے پہلے کل رسول مر چکے ہیں" یہ امر مسلم ہے کہ کبریٰ کی کلیت ہونی ضروری ہے۔ یعنی جس جماعت کا ذکر کبریٰ میں ہو اُس کے ہر فرد پر خبر حاوی ہونی چاہیئے۔ مثلاً یہ کہا جائے کہ زید انسان ہے، اور انسان ہنستے ہیں اس لئے زید ہنستا ہے۔ اگر بنی آدم میں سے ایک فرد بھی ایسا ہو جو ہنس نہ سکے۔ تو یہ نتیجہ غلط ہوگا۔ اسی طرح حضرت محمد صلعم کی موت کی خبر تو قرآن نے دی لیکن وجہ یہ بتلائی۔ کہ اس سے پہلے رسول مر چکے ہیں۔ لہذا آپؐ سے پہلے ایک بھی رسول ایسا نہیں ہو سکتا جو آپ سے پہلے مر نہ چکا ہو۔ اب اگر جناب مسیحؑ ان میں سے ہیں تو مر چکے۔ کس قدر سیدھی بات ہے۔ اس آیت کے ہوتے ہوئے تو جو مسیح کو زندہ مانیگا وہ معاذ اللہ قرآن حکیم کو بروئے اصولِ منطق ایک غلط کتاب تسلیم کرے گا۔ میں کہتا ہوں کہ اگر قرآن کریم میں کہیں بھی وفات کا ذکر نہ ہوتا۔ تو یہی ایک آیت وفات مسیحؑ کے لئے ایک نص بیّن تھی۔ کوئی مدعی مسیحیت اپنے دعویٰ میں صادق ہو یا نہ ہو لیکن مسیحؑ کی وفات پر یہ آیت قطعی دلالت کرتی ہے۔ میں یہاں اس مشہور اور متنازعہ فیہ آیت پر زور نہیں دیتا۔ جو عام طور پر زبان زد ہے یعنی یَا عِیسٰی اِنِّی مُتَوَفِّیکَ وَرَافِعُکَ اِلَیَّ (یعنی اے مسیح میں تیرا متوفی ہوں اور تجھے اپنی طرف رفع دینے والا ہوں۔) لفظ تَوَفِّی بیسیوں دفعہ قرآن شریف میں آیا ہے اور ہر جگہ معنی موت دینے کے ہوتے ہیں۔ لیکن بعض بزرگ اس جگہ معنی مارنے کے نہیں لیتے۔ بہرحال میں اس آیت کو چھوڑ کر آیت ذیل کو لکھتا ہوں کہ اس میں یہی لفظ مستعمل ہے اِس کے معنی خود آنحضرت صلعم نے کیا کئے ہیں۔

وَاِذْ قَالَ اللّٰہُ یٰعِیسَی ابْنَ مَرْیَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُونِی وَاُمِّیَ
اِلٰھَیْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ قَالَ سُبْحٰنَکَ مَا یَکُوْنُ لِیْ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَیْسَ لِیْ بِحَقٍّ
اِنْ کُنْتُ قُلْتُہٗ فَقَدْ عَلِمْتَہٗ تَعْلَمُ مَا فِیْ نَفْسِیْ وَلَآ اَعْلَمُ مَا فِیْ نَفْسِکَ اِنَّکَ

اَنۡتَ عَلَّامُ الۡغُیُوۡبِ ۝ مَا قُلۡتُ لَھُمۡ اِلَّا مَاۤ اَمَرۡتَنِیۡ بِہٖۤ اَنِ اعۡبُدُوا اللّٰہَ رَبِّیۡ وَرَبَّکُمۡ ۚ وَکُنۡتُ عَلَیۡھِمۡ شَھِیۡدًا مَّا دُمۡتُ فِیۡھِمۡ ۚ فَلَمَّا تَوَفَّیۡتَنِیۡ کُنۡتَ اَنۡتَ الرَّقِیۡبَ عَلَیۡھِمۡ ؕ وَاَنۡتَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ شَھِیۡدٌ ۝

اور جب اللہ تعالیٰ کہے گا۔ کہ اے مسیح ابن مریم کیا تونے لوگوں کو کہا تھا کہ تجھے اور تیری ماں کو خدا کے علاوہ معبود مانیں وہ کہے گا۔ اے خدا تو پاک ہے۔ مجھے شایاں نہیں کہ میں وہ بات کہوں۔ کہ جس کا مجھے حق نہیں۔ اگر میں نے ایسا کہا ہوتا تو تجھے علم ہوگا تو جانتا ہے جو میرے دِل میں ہے اور میں نہیں جانتا جو تیرے دِل میں ہے۔ تحقیق تو غیب کی باتوں کا بہت جاننے والا ہے۔ میں نے تو انہیں کوئی ایسی بات نہیں کہی۔ جس کا تونے مجھے حکم نہ دیا ہو (اور وہ یہ ہے) کہ اللہ کی عبادت کرو جو میرا اور تمہارا رب ہے۔ جب تک میں اُن میں رہا۔ میں اسی امر کا گواہ رہا۔ لیکن جب تونے مجھے وفات دی۔ تو تو ان پر نگاہبان تھا۔ اور تو ہی کل چیزوں پر شاہد ہے ۔

مذکورہ بالا دوسری آیت میں لفظ " توفیتنی " کے معنی جب " تونے مجھے وفات دی " کئے گئے ہیں۔ کیوں کہ بخاری نے ایک حدیث میں لکھا ہے کہ آنحضرت صلعم خود اس لفظ کے یہی معنی کئے ہیں۔ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ خدا تعالیٰ مجھے قیامت کو پوچھیگا کہ کیا تونے امّت کو یہ باتیں سکھلائیں۔ یعنی وہ امور نا شدنی جو ہم لوگوں سے سرزد ہوتے ہیں کیونکہ وہ میری تعلیم سے نہیں تو میں وہی کہوں گا جو جناب مسیحؑ نے کہا۔ اِس موقع پر آپ نے یہی آیت پڑھی۔ آپؐ کہیں گے کہ جب تک میں اُن میں رہا تو میں یہی کہتا رہا۔ جو تو نے مجھے حکم کیا۔ لیکن جب تو نے مجھے وفات دی تو پھر تو ان پر نگاہبان تھا ۔

یہ تو ظاہر ہے کہ آنحضرت صلعم فوت ہو چکے ہیں۔ اِس لئے اس آیت میں آنحضرتؐ کے ارشاد کے مطابق تَوَفَّیۡتَنِیۡ کے معنی یہی ہوں گے کہ جب تو نے مجھے مارا ۔

اب کہا جاتا ہے کہ معنی تو توفی کے یہی ہیں لیکن جب مسیح آسمان سے واپس آئیں گے

تو ایک نہ ایک دن خُدا انہیں مارے گا۔ اِس لئے توفیتنی کے معنی بھی یہی ہیں۔ اور مسیح بھی زندہ ہیں۔ کیوں کہ یہ گفتگو قیامت کے دِن ہوگی اور مسیح قیامت سے پہلے مَر جائیگا لیکن اگر سرسری طور سے بھی دوسری آیت کو دیکھا جاوے تو یہی ماننا پڑے گا کہ وفات کا فعل جناب مسیح پر صادر ہو چکا ہے۔ جناب مسیح کہتے ہیں۔ کہ میری قوم اُس وقت تک نہیں بگڑی جب تک میں نہیں مرا۔ اور وہ قیامت کے دن ان کے بگڑنے سے اپنی لاعلمی ظاہر کریں گے۔ اب اگر وہ دوبارہ یہاں آئے ہوتے تو وہ دیکھ لیتے کہ قوم تو بگڑ گئی اور اگر انہوں نے واپس آکر مرنا ہو تو اُن کی وفات سے پہلے بھی قوم بگڑی ہوتی۔ اور وہ قیامت کے دِن قوم کے بگڑنے سے لاعلمی ظاہر نہ کرتے۔ لہذا اس آیت سے صاف پایا گیا۔ کہ ان کی قوم اس وقت نہیں بگڑی جب تک وہ فوت نہیں ہوئے اور چونکہ قوم بگڑ چکی ہے اِس لئے وہ فوت ہو چکے ہیں۔

اِس امر نے یہ تو ثابت کر دیا۔ کہ جناب مسیح مر چکے ہیں۔ لیکن کہا جاتا ہے کہ خدا تعالےٰ انہیں دوبارہ زندہ کرکے یہاں بھیج سکتا ہے۔ مگر اس امر کی مانع بھی قرآن کریم کی ایک اور آیت ہے اور وہ یہ ہے حرامٌ علیٰ قریۃٍ اھلکناہ انہم لا یرجعون (یعنی جس قریہ کو ہم (اللہ تعالیٰ) مار ڈالیں اُس پر حرام ہے۔ کہ وہ دوبارہ اس دنیا میں آئے)

اِس آیت کی تفسیر بھی خود آنحضرت صلعم نے فرمائی۔ ایک دن آپؐ کی خدمت میں جابر بن عبد اللہ آئے، اور اس سے کچھ پہلے حضرت عبد اللہ جہاد میں شریک ہو کر فوت ہو چکے تھے۔ آنحضرت صلعم نے جناب جابر کو مغموم دیکھ کر فرمایا کہ میں تمہیں نبلاؤں تمہارے باپ میں اور خدا میں کیا بات ہوئی۔ کیونکہ خدا تعالیٰ نے یہ امر ان پر ظاہر کر دیا تھا۔ خدا تعالیٰ نے تمہارے باپ کو کہا۔ کہ تم جو مانگو گے ہم دیں گے۔ بجواب جناب عبد اللہ نے کہا۔ کہ جس وقت میں جنگ میں قتل ہوا وہ لذت مجھے پہلے ساری عمر میں نصیب نہیں ہوئی۔ اِس لئے میری عرض یہ ہے کہ مجھے واپس دنیا میں بھیجا جائے۔ تا کہ میں دوبارہ

شریک جہاد ہو کر قتل ہوں ۔ خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ ایسا نہیں ہو سکتا ۔ کیوں کہ قد سبق القول منی انھم لا یرجعون یہ حدیث قدسی کے الفاظ ہیں ۔ یعنی خدا کا جواب یہ تھا کہ میں پہلے فیصلہ کر چکا ہوں کہ جو ایک دفعہ مر جائیں دوبارہ دنیا میں واپس نہ آئیں ۔ اب یہ آیت ایک نص صریح ہے ۔ اس نے نہ صرف اس امر ہی کا فیصلہ کر دیا کہ جناب مسیح جب مر چکے ہیں تو دوبارہ واپس نہیں آسکتے ۔ بلکہ ان تمام امور کا بھی فیصلہ کر دیا ۔ جن کے ماتحت تسلیم کیا گیا ہے ۔ کہ بعض پیغمبروں نے مُردوں کو زندہ کیا ۔ اس میں شک نہیں کہ جناب مسیح کے معجزات میں لفظ حیؔ کا ذکر آیا ہے اور مُردے کا بھی ذکر آیا ہے ۔ یعنی مسیح نے بھی مُردے زندہ کئے ۔ لیکن قرآن کریم نے انہی دو لفظوں کو روحانی موت و روحانی زندگی پر کئی جگہ استعمال کیا ہے ۔ مثلاً بعثت آنحضرت صلعم کا ذکر کرتے ہوئے قرآن کہتا ہے اعلموا ان اللہ یحیی الارض بعد موتھا اے لوگو جانو ۔ کہ خدا تعالیٰ اہل زمین کو جو مر چکے ہیں زندہ کرنے لگا ہے ۔ یہاں ہر ایک مفسر نے حیات اور موت سے مُراد روحانی موت اور روحانی حیات لی ہے اور صحیح بھی یہی ہے ۔ ان دو لفظوں کو روحانی معنی میں کئی موقعہ پر قرآن نے استعمال کیا ہے اور جسمانی طور پر بھی کیا ہے اب اگر قرآنی محاورے میں زندہ ہونے سے مُراد روحانی طور پر زندہ ہونا بھی ہیں ، اور قرآن کریم کی مذکورہ بالا آیت اس بات کی مانع ہے کہ جسمانی طور پر جو شخص ایک دفعہ مر جاوے دوبارہ زندہ نہیں ہو سکتا ۔ تو پھر جس جگہ بھی مسیح کے کسی ایسے معجزہ کا ذکر ہے ۔ وہاں یہی مراد لی جائے گی ۔ کہ نزول مسیح کے وقت بھی یہودی روحانی طور پر مر چکے تھے ۔ اور جنہوں نے جناب مسیح سے اصلاح پائی وہ دوبارہ زندہ ہوئے اب وفات مسیح کے متعلق صرف ایک بات رہ گئی ہے وہ لفظ رافع یا رفع ہے یعنی ایک جگہ تو خدا تعؔ نے کہا یا عیسیٰ انی متوفیک ورافعک الیّٰ یعنی میں تجھے مارنے والا ہوں ۔ اور اپنی طرف اُٹھانے والا ہوں ۔ اور دوسری جگہ قرآن نے جناب مسیح کے متعلق کہا بل رفعہ اللہ الیہ بلکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی طرف اُٹھالیا ۔ یہاں رفع کے معنی جسمانی

طور پر اٹھانے کے لئے گئے ہیں لیکن قرآن کریم نے جناب ادریس کا ذکر فرماتے ہوئے کہا۔ رفعناہ مکانا علیا۔ ہم نے اسے مکان عالی کی طرف اُٹھایا۔ وہاں تو رفعت روحانی مراد ہے۔ جو موت کے بعد ہوئی۔ اس لئے مسیح کے متعلق رفعت روحانی کا عقیدہ رکھنے میں کیا تامل ہو سکتا ہے۔ خصوصاً جب کہ وہ مر چکے ہیں۔ الغرض ہیں اس امر کے ماننے میں کہیں تکلف نہیں دیکھتا۔ کہ جناب مسیح مر چکے ہیں اور ان کا رفع روحانی ہو چکا ہے، اور وہ دوبارہ دُنیا میں نہیں آئیں گے۔ علاوہ ازیں رفع کے متعلق پہلی آیت میں مسیح کے رفع کا وعدہ بھی بعد وفات مسیح ہے۔ اور دوم آیت میں اس وعدہ کا ایفاء ہے اور چونکہ جس کا وعدہ تھا۔ وہ تو روحانی ہے۔ جو بعد موت واقعہ ہوتا ہے۔ اس لئے دوسرا رفع بھی روحانی ہے جو پہلے رفع کے ایفاء پر دلالت کر رہا ہے ؛

حدیث میں ابن مریم کے نزول کا ذکر ضرور ہے۔ گو قرآن نزول مسیح پر خاموش ہے۔ مگر ابن مریم کی تشریح میں حدیث کا بقیہ ٹکڑہ صاف کہتا ہے کہ "واماکم منکم" کہ وہ ابن مریم تم میں سے ہو گا۔ اور تمہارا امام ہو گا۔ یعنی آنے والا ابن مریم نہ تو کوئی نبی ہے۔ اور نہ وہ اسرائیلیوں میں سے ہو گا۔ بلکہ وہ اُمت کا ایک فرد ہو گا (منکم) اور تم میں بطور امام ہو گا۔ یہ ظاہر ہے۔ کہ جناب مسیح تو نبی تھے۔ اور قرآن کریم کی ایک اور آیت کہتی ہے کہ نبی کسی کے پیچھے نہیں چلا کرتے۔ یعنی وہ امتی نہیں ہوتے بلکہ وہ مطاع ہوتے ہیں

وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ

یعنی جو بھی رسول ہوتا ہے وہ خدا کے اذن سے مطاع ہوتا ہے۔ سو جب تک جناب مسیح کو معاذ اللہ نبوت کے عہدے سے معزول نہ کیا جاوے وہ امتی نہیں ہو سکتے کیوں کہ انہوں نے تو ہمارے امام کی حیثیت میں شریعت محمدؐ پہ چلنا ہے۔ سو مسیح موعود جس کی طرف مسلم کی حدیث نے بلفظ ابن مریم اشارہ کیا وہ تو ایک اُمتی ہے اور مطیع ہی نہ کہ مطاع ہے۔ اس امر نے یہ بھی ثابت کر دیا۔ کہ اگر حضرت میرزا صاحب اس حدیث کے

مصداق ہیں - تو وہ مطاع نہیں ہو سکتے - لہذا لازماً نہ وہ حقیقی رسول ہیں نہ حقیقی نبی تھے - چنانچہ خود بھی انہوں نے فرمایا ہے

من نیستم رسول نیاوردہ ام کتاب

مسلم والی یہ حدیث اور اس کے ساتھ مذکورہ بالا آیت اگر ایک طرف ثابت کرتی ہے - کہ مسیح موعود مسیح ناصری نہیں - کیوں کہ وہ تو نبی ہے اور آنے والے نے امتی ہونا ہے تو دوسری طرف اس امر کا بھی فیصلہ ہو جاتا ہے کہ جو بھی مسیح موعود ہو گا وہ رسول نہیں ہو سکتا - اسی کے ضمن میں یہ کہنا بھی خالی از نتیجہ نہ ہو گا - کہ جب لدھیانہ میں آپ کے دعوے مسیحیت کے بعد حضرت مرزا صاحب سے دریافت کیا گیا - کہ وہ چار ائمہ میں سے کس امام کے پیرو ہیں - تو آپ نے فرمایا - کہ امام ابو حنیفہ کا پیرو ہوں - آپ مدت العمر بھی علی العموم حنفی اجتہاد کی پیروی کرتے تھے - یوں تو مذکورہ بالا حدیث ہی فیصلہ کن ہے - کہ مدعی مسیحیت - نبی یا رسول نہیں ہو سکتا - اور آپ کے اس طریق عمل نے بھی یہی ثابت کر دیا کہ آپ رسول نہیں - نبی ہو کر اجتہاد میں حنفی فقہ کی پیروی ایک امر بو العجبی ہے ٭

اس میں شک نہیں کہ آپ مدعی الہام تھے - اور آپ کے الہام میں نبی یا رسول کا لفظ آتا ہے - یعنی خدا تعالیٰ آپ کو نبی یا رسول کے نام سے پکارتا ہے - افسوس تو یہ ہے کہ ہم مسلمان اس وقت اپنے علم الہیات سے اسقدر دُور چلے گئے ہیں - کہ یہ باتیں ہمیں اجنبی معلوم ہوتی ہیں - واِلّا وحی اور الہام ہی ایک ایسی چیز ہے - کہ جس کے ذریعہ کسی قوم کا تعلق خدا تعالیٰ سے رہ سکتا ہے - الہام کے قیام سے ہی ایمان کی تازگی وابستہ ہے - اسی کے وجود سے لوگ مذہب پر قائم رہ سکتے ہیں - اگر اسلام کے علاوہ دوسرے اہل ملل صحیح عقیدہ پر قائم رہے اور آج خود مذہب سے ہی غافل ہو گئے - تو یہی وجہ ہے کہ ان مذاہب میں کوئی خدا تعالیٰ سے مکالمہ کرنیوالا موجود نہ تھا - امت مرحومہ پر خدا تعالیٰ نے یہ فضل کیا کہ نبوت کا دروازہ تو بند کر دیا

لیکن مبشرات کا راستہ کھلا رکھا جیسے کہ حضرت مرزا صاحب نے بھی اپنی آخری کتاب استفتا میں جہاں نبوت سے انکار کیا - وہاں اپنے دعویٰ کی تشریح میں الفاظ ذیل لکھے :-

"حضرت خاتم النبیین علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد صدی کا سر چھوڑ ہر وقت امت مرحومہ میں ایسے لوگ پیدا ہوتے رہے جو مکالمہ الہیہ سے شرف یاب ہوئے یہی وہ نعمت ہے کہ جسے پاکر وہ دنیا سے مستغنی ہو گئے - اسی کی طفیل وہ سنگ پارس ہو کر دنیا کو کندن بنانے کے قابل ہو گئے - اور مذہب کی زندگی کا موجب ہوئے عیسوی یا موسوی مذہب کو چھوڑ دیا جاوے - خود اس ملک کے قدیمی مذہب کو سامنے رکھا جاوے - اُن چند بزرگوں کے سوا جنہیں ہندو اصحاب نے اوتار بنا رکھا ہے اور وہ بھی گنتی میں نو ہیں - صرف چند نام اور ہیں جو مذہبی عزت سے ہندو اصحاب میں دیکھے گئے ہیں - مثلاً منوجی - بیاس جی وغیرہ"

اِن ناموں کے سوا کوئی اور نام مجھے نظر نہیں آتا جس کی یاد مذہبی تقدس کے ساتھ ہندو قوم نے قایم رکھی ہو - اس کا یہ نتیجہ ہے کہ یہ مذہب رہ سہہ کر اس وقت چند رسومات کا مجموعہ بن گیا ہے - ورنہ اس سے تو انکار نہیں ہو سکتا - کہ ویدک مذہب اپنی شکل وصورت میں خدا کا بھیجا ہوا مذہب تھا اور اسلام کی ابتدائی شکل تھی - بالمقابل اسی ہندوستان میں کونسی مسلم مشہور بستی ہے - جہاں کوئی نہ کوئی خدا کا شیر سویا ہوا نہ ہو - جس نے اپنے وقت اسلام کو زندہ رکھا - ہندو مذہب کی یہ حالت عیسائی اور موسوی مذہب میں بھی ہے وہاں بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد کوئی بھی ایسا مقدس انسان نظر نہیں آتا جس کا تعلق اُن معنوں میں خدا سے رہا ہو - جس تعلق کی تعریف خود بائیبل نے کی ہے -

سنہ ۱۹۱۶ء میں مجھے کیمبرج سے پیغام آیا کہ وہاں مسلم طلبا نے بشپ مرفی سے مذہبی گفتگو کرنے کے لئے مجھے تجویز کیا ہے - قدیم الایام سے کیمبرج میں ہر سال دو بشپ آتے ہیں جو وہاں کے کیتھڈرل میں طلباء کیمبرج کو مذہبی سرمن دیتے ہیں اُس سال

بشپ آف مرفی اور بشپ آف لنگٹن کی باری تھی۔ بشپ مرفی نے اپنے حاضرین میں چند ہندوستانی طلباء کو دیکھ کر وعظ میں کہا۔ کہ اگر کوئی غیر عیسائی طالب علم ان سے مذہب کے متعلق گفتگو کرنا چاہیں تو وہ خوشی سے اُسے وقت دیں گے۔ اِس پر میرے ایک عزیز مکرم مولوی محمدؐ علی قصوری جو کیمبرج کے بی اے ہیں۔ اور مولوی عبدالقادر صاحب قصوری کے صاحبزادہ ہیں۔ بشپ کے پاس گئے۔ انہوں نے بشپ موصوف سے میرا ذکر کیا۔ اور بشپ نے بخوشی ایک گھنٹہ دینے کا وعدہ کیا۔ پیغام کے آنے پر میں فوراً کیمبرج پہنچا۔ بشپ مرفی ۵ بجے شام کے کینھیڈرل میں میرے آنے سے پہلے وہ کئی دفعہ میرے متعلق پوچھ چکے تھے۔ چونکہ کیمبرج کی پہلی گاڑی میرے اسٹیشن پر پہنچنے سے پہلے چلی گئی تھی۔ اِس لئے میں مقررہ وقت پر کیمبرج نہ پہنچ سکا۔ معمولی گفتگو کے بعد بشپ نے مجھ سے پوچھا۔ کہ میں نے کبھی بائیبل کا مطالعہ کیا۔ بجواب میں نے عرض کیا۔ کہ وہ کتاب مقدس تواکثر میرے مطالعہ میں رہتی ہے۔ اسی مطالعہ نے ہی مجھے ایک محکم امر پر قائم کر رکھا ہے۔ جو میرے نزدیک کسی مذہب کی صداقت کا بہترین معیار ہے۔ ان کے پوچھنے پر میں نے عرض کیا۔ کہ دنیا میں کوئی بھی ایسا مذہب نظر نہیں آتا۔ جس میں اخلاقی تعلیم نہ ہو۔ جن امور میں اختلاف ہے اس کا باعث کچھ تو مقامی حالات ہیں اور کچھ اختلاف طبائع ہے۔ اور اس کا فیصلہ کرنا کوئی آسان امر نہیں۔ ہر ایک مذہب نے اپنے اپنے وقت انسان کی خدمت و رہنمونی بھی کی ہے۔ ایسا ہی ہر ایک مذہب میں عبادت کا کوئی نہ کوئی طریق ہے۔ ہر ایک خدا پرستی کے راہ پر اپنے خیال میں قدمزن ہے۔ مجھے ایک بھی بات کسی مذہب میں ایسی نظر نہیں آتی جو دوسری جگہ نہ ہو۔ ہاں اِس مذہبی مناقشات میں فیصلہ کن ایک ہی امر ہے۔ ہر ایک کہتا ہے کہ میرے مذہب سے انسان کا تعلق خدا سے ہو سکتا ہے۔ لیکن کوئی اَمر تو ایسا ہونا چاہیئے کہ جس سے انسان سمجھ لے کہ وہ صحیح مذہب پر ہے اور خدا تعالیٰ سے اسکا تعلق ہے

اس سے دعاؤں کا کیا جانا اور انہیں مقبول شدہ سمجھ لینا جیسے کہ ہر مذہب والا کہتا ہے۔ وہ بھی فیصلہ کن امر نہیں۔ ہر ایک مدعی ہے کہ خدا ہماری سنتا ہے۔ لیکن اس معاملہ میں کوئی راہ فیصلہ کی ہونی چاہیئے یُوں تو ایک بُت پرست اور ایک خدا پرست ہر دو کہتے ہیں کہ ہمارے معبود ہماری دعا سنتے ہیں۔ ہاں بائیبل میں ایک بات نظر آتی ہے جس سے اطمینان ہوتا ہے کہ جسے وہ حاصل ہے وہ ضرور خدا کے رستہ پر ہے۔ الوالعزم انبیا تو ایک بلند مقام پر ہوتے ہیں۔ بائیبل میں کثرت سے ایسے بزرگوں کا ذکر ہے۔ جن کے ساتھ خدا تعالیٰ ہمکلام ہوتا تھا۔ حسب ضرورت انہیں خدا کا پیغام پہنچتا تھا۔ خدا کے فرشتے وقتاً فوقتاً ان کی رہنموئی کرتے تھے۔ یہ امر جناب مسیحؑ کی زندگی میں بھی نظر آتا ہے۔ ان کے حواری بھی ایک حد تک اس رنگ میں رنگین نظر آتے ہیں۔ اب جو بعد کی عیسائی تاریخ میں نظر آتا ہے۔ اُس کی طرف میں اشارہ نہیں کرتا۔ میں صرف ایک ہی بات آپ سے پوچھتا ہوں کہ آیا اس قسم کے خدا سے کلام کرنے والے یا پیغام و اطمینان پانے والے لوگ آج آپ میں ہیں۔ اگر ہیں۔ تو مجھ پر آپ کے مذہب کی صداقت متحقق ہو گئی۔ اس وقت میں ثبوت بھی نہیں مانگتا۔ کوئی عیسائی بزرگ کہدے کہ اسے یہ اُمور حاصل ہیں۔ اور میں اس کی بات کو بحیثیت ایک شریف انسان کے قبول کر لوں گا۔ میں اس کا ہم خیال ہو جاؤں گا۔ جہاں تجربہ بعد میں ہو جائے گا مذہبی بحث کا دروازہ تو اس طریق پر میں نے بند ہی کر دیا۔ اور بشپ موصوف کوئی نادان آدمی نہیں تھا۔ کہ وہ اس مختصر سی گفتگو سے نہ سمجھ لیتا۔ کہ وہ کس سے مخاطب ہے۔ لہذا انہوں نے بجواب کہا کہ یہ باتیں صحیح ہیں۔ لیکن یہ اس زمانہ کی ہیں کہ جب علمی چرچا نہ تھا۔ اور لوگوں میں سادگی تھی۔ آج سائینس نے ان امور کی طرف سے طبائع کو پھیر دیا ہے۔ میں نے فوراً عرض کی۔ کہ کیا آپ کی یہ منشاء ہے۔ کہ مذہب جہلاء کے لئے آتا ہے۔ اور کیا سادگی سے آپ کی مُراد سادہ لوحی تو نہیں اور مذہب ایک

علم کی تشفی کا موجب نہیں ہوسکتا۔ وہ اس جواب پر کسی قدر گھبرائے۔ لیکن فوراً ہی کہنے لگے کہ ہمارے پاس عبودیت کی صداقت پر اس امر کے سوا اور بھی شہادتیں ہیں۔ چنانچہ میرے سوال پر وہ کہنے لگے کہ پولوس رسول خود ایک زبردست شہادت ہے۔ میں نے عرض کیا کہ میں مان لیتا ہوں۔ لیکن پولوس کی شہادت کی بنیاد پھر ایک مکاشفہ ہے۔ اس کی شہادت کی ثقاہت اس کے مکاشفہ اوّل پر ہے۔ جس میں اُنہیں خداوند (جناب مسیح) نظر آیا۔ اور میں یہی پوچھتا ہوں۔ کہ آیا آج کل بھی کوئی صاحب کشف آپ میں ہے۔ باقی اپنی مذہب کی جو خوبی بھی آپ بتلائیں گے۔ وہی رنگ میں ہندو مذہب میں دکھلا دوں گا۔ جو معجزات آپ مسیح کے ذکر کریں گے۔ اُن سے بڑھ چڑھ کر رامائن و مہا بھارت میں واقعات درج ہیں۔ اور آپ کی کتابوں میں اور ہندو کتب میں کونسا یا کیا فرق ہے۔ علاوہ ازیں مسیح کے جتنے خصائص ہیں۔ وہ انبیاء بنی اسرائیل میں نظر آتے ہیں۔ میں جناب مسیح کو خدا کا نبی مانتا ہوں۔ لیکن میرے نزدیک ان کا ایک امتیازی نشان صرف کشف والہام تھا۔ انہوں نے وعدہ بھی کیا کہ ان کے بعد یہ امر جاری رہے گا۔

اب اگر یہ بات اُن کے پیرؤں میں ہے۔ تو وہ انہی کے مذہب حقّہ پر قائم ہیں۔ اور اگر یہ امر مفقود ہو چکا ہے تو میرے نزدیک ان کے مذہب میں کوئی نہ کوئی خرابی آجکل ہے۔ بشپ موصوف نے گو ایک گھنٹہ کے لئے گفتگو کرنے کا وعدہ مجھ سے کیا تھا لیکن وہ گھڑی دیکھنے لگ گئے۔ اِس میں یہ اشارہ تھا۔ کہ وہ بیٹھ نہیں سکتے۔ لیکن میں نے کہا کہ ابھی پندرہ منٹ گذرے ہوں گے۔ اور آپ نے ایک گھنٹہ کے وعدے پر مجھے لندن سے بلوایا ہے۔ بجواب انہوں نے عذر خواہی کی۔ مَیں کیا کر سکتا ہوں۔ مَیں نے یہی کہا کہ مجھے مذہب کی تحقیق میں روپیہ اور وقت کا چنداں خیال نہیں۔ آج نہ سہی کل یا پرسوں سہی۔ جس وقت انہیں فرصت ہو میں حاضر ہوں۔ بشپ نے کہا۔ کہ اُن کے

دونوں دن لگ چکے ہیں۔ اور تیسرے دن انہوں نے چلے جانا ہے۔ میں نے بجواب کہا کہ اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔ میں مرفی بھی آسکتا ہوں۔ اگر آپ کوئی وقت مقرر کریں فرمانے لگے۔ کہ ایک ماہ کے لئے میں فارغ ہی نہیں۔ میں نے عرض کی کہ میں دوسرے مہینہ آجاؤں گا۔ آخر انہوں نے میرے اصرار پر وعدہ کیا۔ کہ وہ مرفی جاکر مجھے کسی وقت مناسب سے اطلاع دے دیں گے۔ آج اس پر سوا سال گذر چکے ہیں۔ لیکن بشپ موصوف کی طرف سے کوئی پیغام نہیں آیا۔ بشپ موصوف سے میرا یہ مطالبہ قرآن کے مطابق ہی تھا۔ مؤمنین کا صاحب الہام ہونا۔ یا اُن کے اطمینان کے لئے فرشتوں کا ان پر نازل ہونا یہ وہ امتیازی نعمتیں ہیں جو خدا تعالیٰ نے امت مرحومہ کے لئے خاص کر رکھی ہیں۔ اوّل ہمارا ہر روز پانچ وقتہ نماز میں صراط مستقیم کی ہدایت مانگنا ہی اس امر کیطرف اشارہ کرتا ہے کہ ہم مذکورہ بالا نعمت کے لئے ہی دُعا کرتے ہیں۔ پھر ہم اس صراط مستقیم کی ہدایت کے طالب ہوتے ہیں۔ جنہیں "اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ" کے صراط سے مختص کیا گیا ہے۔ آگے چل کر قرآن نے جن بزرگوں کو منعم علیہ میں گنا ہے مثلاً وہ نبی، صدیق، صلحا، شہدا ہیں ضروری نہیں کہ ہر شہید اور صالح صاحب الہام ہو۔ اس نعمت کی تقسیم بھی خدا کے ہاتھ میں ہے۔ البتہ ہمیں اس نعمت کے مانگنے کا حکم دیا گیا ہے۔ نعمت مل سکتی ہے۔ اسی طرح اس ہدایت کا وعدہ بھی فرماتا ہے جیسا کہ آیت ذیل کہتی ہے:۔

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا۔ جو ہمارے راہ میں کوشش کریں گے ہم ان کو اپنا راستہ بتلائیں گے) گو ہر مجاہد۔ صاحب الہام نہیں ہوتا۔ لیکن قرآن کریم وعدہ کرتا ہے کہ الہام کا دروازہ امت مرحومہ پر کھلا ہے۔ جب انسان کا مجاہدہ خدا کے مقرر کردہ مقام پر پہنچ جاتا ہے تو وہ صاحب الہام ہو جاتا ہے۔

پھر ان ہی لوگوں پر فرشتوں کا نازل ہونا، نازل ہو کر جواب دینا قرآن کی ایک اور

نص صریح سے ظاہر ہے۔ آیت:-

اِنَّ الَّذِینَ قالُوا ربّنا اللّٰہُ ثم استقاموا تتنزل علیھم الملائکۃ الا تخافوا ولا تحزنوا وابشروا بالجنۃ التی کنتم توعدون

(حٰمٓ آیت ۳۰-) جن لوگوں نے کہا کہ اللہ تعالٰی ہمارا ربّ ہے۔ اور اس اعلان پر (استقامت) دکھائی۔ اُن پر فرشتے نازل ہوتے ہیں اور کہتے ہیں کہ نہ خوف کھاؤ نہ غم کھاؤ۔ تمہیں وعدہ کردہ جنّت کی خوشخبری دیتے ہیں۔ اس زندگی میں اور آیندہ ہم تمہارے ولی ہیں)۔

استقامت کے جس مقام پر فرشتے نازل ہوتے ہیں۔ وہ تو بڑا بلند ہے۔ وہ ابتلاؤں کے مقابل وہ مقام ہے۔ جب مرسلین کے مُنہ سے متی نصر اللہ نکل آتا ہے لیکن اس آیت نے یہ تو خوشخبری دی کہ فرشتے بھی خدا کے چلنے والوں پر نازل ہوتے ہیں یعنی استقامت مومن کا وہ مقام ہے جس پر جا کر فرشتوں کا نزول اس پر ہوتا ہے۔ وہ یہ نہایت ہی مشکل مقام ہے۔

الغرض الہام اور ملائکہ کا نزول تو ثابت ہے۔ اور امّت مرحومہ کے بعض اولیاء نے اس نعمت کو حاصل کیا ہے مگر یہ اس شان کا الہام نہیں جو حضرت خاتم النبیین تک انبیاء علیہم السلام کو ہوا اور جس کے ذریعہ کتب الٰہیہ نازل ہوئیں۔ نہ فرشتے کسی مسلم ملہم کے پاس کبھی کوئی شرعی حکم لائے۔ ہاں یہ ضروری ہے کہ ان ہی دو ذرائع سے خدا کی کتاب کے غوامض اور اسرار کھلتے رہے۔ الہام کے ذریعہ ہی قرآن حکیم کے معارف دنیا پر ظاہر ہوتے گئے۔ یہ مقام غور ہے کہ کوئی اہل مذہب کس بات کے لئے اپنے مذہب کو چھوڑ کر دوسرے مذہب میں جائے۔ جبکہ اخلاقی اور معاشرتی بلکہ نام نہاد روحانی تعلیمات کم و بیش ہر جگہ موجود ہیں۔ یہ ضرور ہے کہ بعض مذاہب کے عقاید عقل کی معیار پر قائم نہیں رہ سکتے۔

بلکہ اگر ہم انہیں قبول کریں تو گویا حکمت و عقل کی ذلت کرتے ہیں۔ بالمقابل قرآن نے حقائق مذہبی کی تعلیم میں انہیں براہین قاطع سے ثابت کیا۔ چنانچہ قرآن نے ایک جگہ اپنا نام برھان بھی رکھا۔ ملہم قرآن کے سامنے ساتھ ہی وہ زمانہ پیدا ہونے والا تھا۔ جب مذہب کے ثبوت میں معجزات کافی نہ سمجھے جاتے تھے۔ جب ہر طرف سے عقلیہ

ثبوت کی ہی طلب ہوتی تھی۔ آج وہ زمانہ کمال رنگ میں ہم نے دیکھ لیا۔ آج اگر کوئی مذہب عقلی معیار پر کھڑا ہو سکتا ہے۔ تو اسلام ہی ہے۔ ایک خدا کی ہستی کے مسئلہ کو دیکھ لو۔ کسی کتاب کی تلاش کرو۔ ہستیٔ باری تعالےٰ کے ثبوت میں وہاں ایک بھی عقلی دلیل نہیں نظر آتی۔ قرآن نے کئی ایک دلائل عقلیہ دیئے۔ اور حیرت کا مقام ہے کہ آج جو دہریت نے رجوع کر کے سائنس کی طفیل محض خدا کی ہستی پر ایمان کی طرف قدم اٹھایا۔ تو جن منازل میں سے سائنس گذری تو وہ بالفاظہ وہی ہیں۔ جو قرآن کریم نے یکے بعد دیگرے گنے۔ آج سے سو سال پہلے کوئی بھی خدا کی ہستی چھوڑ صحیفۂ قدرت میں کسی نظام کا قائل نہ تھا۔ کائنات کو اتفاقات کا مجموعہ سمجھا جاتا تھا آخر کار جرمنی کے حکیم ہیگل کے زمانے سے کچھ پہلے اہل سائنس کی توجہ قوانین فطریہ پر پڑی۔ آہستہ آہستہ اُنہیں سمجھ آگئی۔ کہ کائنات میں تو ہر قدم پر قانون ہی قانون نظر آتے ہیں۔ یہ پہلی منزل تھی جب ہیگل نے مادہ کا نام لاسٹیٹنس (مجسمہ قانون) رکھا دوسرے مرحلہ پر متضاد قوانین نے اُن پر روشن کر دیا کہ اُن پر ایک ہاتھ کی حکومت ہونی چاہیئے۔ اس نئے مذہب کا نام انہوں نے مونازم رکھا۔ تیسرے مرحلہ پر انہوں نے دیکھ لیا کہ کوئی خدا کی چیز بے مصرف نہیں۔ جس سے مسئلہ یوٹیلٹی پیدا ہوا۔ چوتھا مرحلہ ایک زبردست مرحلہ تھا۔ یعنی مرحلہ ایولیوشن۔ اس سے مراد یہ تھا ہے کہ ہر ایک چیز میں لاتعداد استعدادیں ہوتی ہیں جنہیں وہ چیز مختلف منازل میں سے گزر بالقوا کر دیتی ہے۔ اسی نظریہ نے نظریہ ارادہ و تدبیر (Theory of Design) کو متحقق کر دیا۔ چھٹے مرحلہ پر تدبیر کو عمل میں لانے کے لئے یہ ضروری سمجھا گیا کہ صاحب ارادہ میں علم قوت اور ہر چیزوں کو اپنی منشا کے مطابق چلانے کی طاقت ہونی چاہیئے۔ وہ جانتا ہو کہ چیزیں کہاں ہیں اور اُن میں کیا کیا خواص ہیں۔ الغرض ساتویں مرحلہ پر آخر کار انہیں کائنات کی ہر چیز پر رب علیم حکیم۔ محصی۔ واجد۔ جبار۔ قہار۔ ملیک۔ مقتدر کا وجود حکومت کرتے ہوئے نظر آیا۔ اب مقام غور

ہے۔ کہ سائنس کا کوئی مرحلہ ایسا نہیں جس کی طرف قرآن نے انسان کو متوجہ نہ کیا ہو۔ میں قرآن میں آیات کے بعد آیات ایسی پاتا ہوں لیکن ان آیات کی طرف سب سے پہلے میری توجہ حضرت مرزا صاحب نے ۱۸۹۶ء میں اپنے مضمون جلسہ مذاہب کے ذریعہ دلائی +

الغرض ان امور عقلیہ کو میں نے مجدد وقت کے لٹریچر میں پایا۔ جس پر میں نے انگریزی زبان میں ایک بسیط لٹریچر پیدا کیا۔ جس سے اسلام کا سکہ آج خوب جم گیا +

دیکھنے والے کی نگاہ میں آسانی سے نظر آ جاتا ہے کہ خواجہ کی تصنیف کا رنگ تو حضرت مرزا صاحب کی تصنیف کے رنگ کی تتبع میں ہے اور مجھے اس امر کے ماننے میں نہ صرف کوئی تامل ہی نہیں بلکہ مجھے فخر ہے کہ اس امر میں میں نے حق شاگردی کو ادا کیا +

قرآن کریم و حدیث کے بعد میں منقولات کا چنداں قائل نہیں گو نقل را چہ عقل ایک مشہور فقرہ ہے لیکن یہاں بھی خصوصاً تربیت و تلاش کیلئے عقل کی ہی ضرورت ہے۔ میرے نزدیک منقول معقول کی غلام ہے۔ بیشک ایک دنیا اسکو بھی چاہتی ہے اور صحیح طور پر اس سے تمسک کرتی ہے اور خود قرآن نے بھی کیا۔ لیکن سب سے اوّل جس بات نے میرے دل میں حضرت مرزا صاحب کی عظمت پیدا کی وہ آپکا **علم کلام** ہی تھا۔ وہی مجھے پہلے دن امرتسر اُنکی زیارت کو لیگیا الغرض اگر میں نے قرآن کو خدا کا کلام سمجھا تو عقل نے بھی اس بات پر مجھے مجبور کیا۔ اگر میں حضرت محمد مصطفٰے علیہ الف الف سلام و صلوٰۃ کو ایک زبردست نبی اور ہر رنگ میں خاتم النبیین قبول کرتا ہوں جیسے کہ اسلامک ریویو میں میں نے بتکرار لکھا تو نہ صرف اسی لئے کہ قرآن و حدیث کا یہ حکم ہے بلکہ تقاضا عقل یہی ہے اور بالفرض اگر ایسا حکم قرآن میں نہ ہوتا تو قرآن کے بعد مجھے کسی بزرگ کے کلام میں بھی تعلیم نبوت نظر نہیں آئی۔ ہاں وہ مجھے ایک دربعدیل خادم و شارح قرآن دکھائی دیتے ہیں مجھے ان کا اپنا وجود بنفسہٖ صداقت اسلام میں ایک بالغ حجۃ اللہ و برہان قاطع نظر آتا ہے۔ لیکن یہاں بھی جیسے کہ اہل بصیرت ان اوراق سے دیکھ سکتا ہے عقل نے وقت کے دیکر مجھے مجدد وقت کے قدموں میں جا بٹھلیا۔ منقول (حدیث) نے رہنمونی ضرور کی۔ لیکن عقل ہی نے حق الیقین تک پہنچایا۔ الغرض

اور دوسرے مذاہب پر اسلام کو علمی تفوق حاصل ہے۔ علمی۔ عملی۔ تمدنی اور اقتصادی۔ روحانی۔ اخلاقی سب باتیں قرآن ہی موجود ہیں لیکن ہم بدقسمتی سے ہم ایک ایسے زمانہ میں ہیں۔ جو اس تفوق علمیہ کو دیکھکر بھی اسلام کی طرف متوجہ نہیں ہوتا۔ عام طور پر کہا جاتا ہے۔ کہ اس وقت بذات خود مذہب ہی کی ضرورت نہیں۔ اگر کسی مذہب میں اچھی باتیں ہیں۔ تو ہم انہیں لے لیتے ہیں لیکن اس بات کا کیا ثبوت ہے۔ کہ وہ باتیں خدا کی طرف سے ہیں۔ آئے دن زمانہ نے یکے بعد دیگرے خیر خواہان انسانیت پیدا کئے۔ یہ لوگ اپنی قوم کو راہ ہدایت پر لے آئے۔ وہ اپنے اُس وقت میں انبیا تسلیم ہوئے۔ ہم ان کی باتوں پر چلنے کو اس وقت تیار ہیں لیکن ان کی تعلیمات کو بطور مذہب من جانب اللہ ماننے کی ہمیں ضرورت نہیں۔ لادمذہبی کی یہ ہوا ایک ڈیڑھ صدی سے یورپ میں چل رہی ہے۔ ایک صدی سے دہریت نے وہاں ہر ایک ایسی چیز سے نفرت پیدا کرا دی جو مذہب کی طرف منسوب ہو سکتی تھی لیکن اس وقت سائنس نے خدا کی ہستی کو منوالیا۔ اور خدا بھی بفضلہ وہ خدا مانا گیا۔ جو اسلام کا خدا ہے۔ لیکن یہ لوگ اس کی طرف سے کسی الہام کے آنے کے قائل نہیں۔ انہی وجوہ سے ہندو قوم نے برہمو سماج کو پیدا کیا۔ جنہوں نے الہام سے تو انکار کر لیا لیکن پیغمبروں کی تعلیم کو بطور مصلحین کے قبول کر لیا۔ اب گذشتہ دس سال سے ہندوستان ہیں ایک اور رنگ پیدا ہو گیا ہے۔ آج بعض تعلیم یافتہ ہندو بھائی نہ صرف اپنے آبائی مذہب سے ہی بیزار ہیں۔ بلکہ کہتے ہیں۔ کہ مذہب کو اب ملک سے جلا وطن کیا جائے۔ ان ہیں سے بعض تسلیم کرتے ہیں۔ کہ کل مذاہب میں اسلام کی تعلیم تمدناً ایک بہترین تعلیم ہے۔ اس کے اصول قابل عزت اور واجب العمل ہیں۔ ان کے نزدیک محمدؐ عربی کی شخصیت ایک بہترین سے بہترین شخصیت ہے۔ وہ انہیں اپنا اسوہ قرار دیتے ہیں۔ اسلام کی تعلیم پر چلنے کو بھی تیار ہیں۔ لیکن دائرہ اسلام ہیں آنے کی ضرورت نہیں سمجھتے۔ اور پندرہ سال میں برادران ہنود نے بعض اسلامی اصولوں کو اپنے اندر داخل کرنے کی کوشش کی ہے۔ اور ایک حد تک کرتے جاتے ہیں حتیٰ کہ جن اسلامی اصولوں کا نفاذ رعایا میں قانون کے ذریعہ ہی ہو سکتا

ہے۔ اس کے لئے ہندو بھائی لیجسلیٹو کونسل کی استمداد کی فکر میں ہیں۔ بمبئی کے مشہور مرہٹہ لیڈر مسٹر جیکار تو علی الاعلان کہتے ہیں۔ کہ ہندو قوم کی نجات اسی میں ہے۔ کہ وہ اسلامی عقائد کو اپنے مذہب میں داخل کرے اور اس پر عمل کرے۔ بلکہ وہ تو کہتے ہیں کہ اس تداخل کے سوا ہم زندہ نہیں رہ سکتے۔ یہی باتیں لالہ لاجپت رائے آنجہانی کہا کرتے تھے۔ پنڈت مالوی یا مہاتما گاندھی علے الاعلان یہ امر تسلیم کریں یا نہ کریں لیکن میں امر کی وہ تلقین کر رہے ہیں۔ اور جس پر وہ ہندو قوم کو قائم رکھنا چاہتے ہیں۔ وہ وہ چیز ہے جس پر نصف تعلیم اسلام ختم ہو جاتی ہے یعنی انسانوں میں مساوات کا ہونا۔ بالمقابل گذشتہ بیس سال میں اس قدر کتابیں ہندو قلم سے آنحضرتؐ کے محاسن پر نکلی ہیں۔ کہ ان کا عشر عشیر آج سے پچیس برس پہلے نظر نہیں آتا۔ ان کو پڑھکر یہی نظر آتا ہے۔ کہ آنحضرت کے متعلق کسی مسلمان کا عقیدہ ان کے عقیدہ سے بہتر نہیں ہو سکتا۔ پچھلے سال ہی دو برہمن دوستوں نے جن میں ایک بمبئی کا تھا۔ ہماری نماز گاہ لندن میں آنحضرت کے حالات پر لیکچر دیئے۔ حاضرین میں سے غیر مسلم انگریزوں نے تو انہیں مسلمان ہی سمجھا۔ اور اسلامک ریویو میں ان کے لیکچر پڑھکر میں نے یہ خیال کیا کہ ایک محقق سے محقق مسلمان میں اور ان میں کیا فرق ہے، اور اگر یہ لوگ کلمہ طیبہ کے دل سے مقر ہو جائیں۔ تو پھر لاکھا مسلمانوں میں یہ بزرگ بہتر ہونگے یہی حالت میں برگیڈیر جنرل مسٹر بلنکیسی کی بھی پاتا ہوں۔ اور مکرمی حسین جمال پریسیڈنٹ وفد فلسطین نے میری کتاب آئیڈیل پرافٹ (نبوت کا ظہور اتم) جنرل موصوف کو تحفۃً پڑھنے کیلئے دی جسے وہ پڑھکر کچھ ایسے فریفتہ ہو گئے۔ کہ آج وہ ہر جگہ آپؐ کے محامد پر تقریریں کرتے پھرتے ہیں۔ اور خرید خرید کر میری کتاب کو تقسیم کر رہے ہیں لیکن ان امور کے ہوتے ہوئے جس وقت بھی ان بزرگوں کو اسلام میں شامل ہونے کے لئے کہا جاتا ہے۔ تو یہی کہہ دیتے ہیں کہ ہم تو قرآن اور آنحضرت کی تعلیم پر چلنے کو تیار ہیں۔ اور حتی الوسع چلتے بھی ہیں۔ اور یہ کافی ہے مسلمانوں میں شامل ہو کر ہمیں کونسا خاص فائدہ ہوگا۔ یہ امر تو ظاہر ہے کہ ان لوگوں کی عملی زندگی علی العموم اسلامی نہیں ہوتی۔ مگر جس زندگی کی طرف میں اشارہ کرتا ہوں وہ آج ہم میں بھی نہیں۔ اس لئے وہ اسلام کی روحانی برکات سے محروم ہو جاتے ہیں۔ علی العموم یہ

وہی لوگ ہیں ۔جو نزول الہام کے قائل نہیں ۔اگر انہیں اس بات کا یقین ہو جائے ۔کہ اسلام پر چلنے سے خدا تعالے کا انسان سے وہ تعلق ہو جاتا ہے کہ جس سے انسان اپنے آپ کو خدا تعالے کے نوازندوں میں دیکھتا ہے ۔اس کا ایک ثبوت مبشرات والے الہام ہوتے ہیں ۔تو وہ بالضرور اسلام پر چلیں اور پورے طور سے چلیں ۔اور صاحب مکالمہ ہو کر خدا کی راہ میں فدا ہو جائیں ۔جو لوگ دنیا کے لئے اس قسم کی جدوجہد کرتے ہیں ۔اگر وہ اس بیش بہا خزانہ کو حاصل کرنے کا راستہ دیکھ لیں جس کا نام خدا ہے ۔تو ہم سے بڑھکر اپنی اصلاح پر قدم زن ہوں ۔ایسا ہی اگر ہم خود اسلام کی طرف سے آج لاپرواہ ہیں ۔اور جو کچھ نتیجہ ہو رہا ہے وہ ظاہر ہے ۔تو اس کی یہی وجہ ہے کہ ہم میں اسلامی زندگی نہیں ۔آخر ہمارے پاس وہی کتاب اللہ ہے جو آنحضرت صلعم لائے ۔اس کتاب کو سمجھنا کوئی امر مشکل نہیں ۔ہم اس کے احکام کو بھی سمجھتے ہیں ۔آنحضرت کی سنت بھی ہمارے سامنے ہے ۔امت کے صلحا بھی ایک نہ ایک نمونہ پیش کر گئے ہیں ۔پھر کیا وجہ ہے کہ ہم شریعت پر نہیں چلتے ۔قرآن کریم نے ہر جگہ نماز کی تاکید کی ہے ۔آنحضرت صلعم نے نماز کا نام معراج مسلم رکھا ہے ۔دن میں پانچ دفعہ آواز آتی ہے ۔کہ نماز فلاح کی کنجی حی للفلاح ہے دینی دنیوی کامیابی نماز سے وابستہ ہے ۔پھر کیا وجہ ہے کہ اس پر بھی ہم قائم الصلوٰۃ نہیں ہیں اصل بات یہ ہے کہ خالی وعظ و نصیحت کا زمانہ گذر چکا ہم بے سود یا بے لذت کام کرنا نہیں چاہتے اور ہم نہیں نماز میں نہیں پاتے لیکن نماز میں اس لذت کے پانے والے اب بھی موجود ہیں ۔جو اس کے مقابل تمام دیگر لذات دنیوی کو بھول سکتے ہیں ۔ہاں وہ وہ جماعت ہے جو اس مذکورہ بالا نعمت ایزدی سے جو اسلام سے مختص ہے ۔بہرہ اندوز ہے ۔اگر ہم اس نعمت کی طفیل اس لذت کو نماز میں پاتے ۔تو کیوں ہم دوڑتے بھاگتے نماز کی طرف نہ جاتے ۔اصل بات یہ ہے کہ ہم مکالمہ الہیہ پر ایمان ہی نہیں رکھتے اس لئے جس قرآن کی تجویز کردہ زندگی سے ہم اس نعمت کو پا سکتے تھے ۔اس کی طرف ہم نہیں جا سکتے بلکہ جو ہم میں اس نعمت کا مدعی ہوا ہم نے اس کی مخالفت کی ۔ہاں یہ سچ ہے کہ آج بعض مدعیان الہام نے الہام کو اس قدر ذلیل کر دیا ہے کہ اس کی طرف دنیا کو متوجہ کرنا دشوار ہو گیا ہے لیکن کسی مدعی کے دعوے کے پرکھنے کے لئے اس کی فی نفسہٖ صلاحیت ۔اس کے اشغال ۔اس کے نصب العین ۔اس کا

فہم وخدمت قرآن اس کا عشق رسول وغیرہ وغیرہ ۔ گو عبادیات میں سے ہیں لیکن افسوس تو یہ کہ ان امور سے ہماری ناآشنائی ہمیں اس طرف آنے ہی نہیں دیتی ۔ بالمقابل مسلمان اپنی دنیوی تمدن و بہبودی کی طرف خیال نہیں کرتے ۔ کاش مسلم دنیا اس راز سے ہی آشنا ہوتی کہ اسلام نے دنیوی امور کی ہی بہترین شکل کا نام مذہب رکھا ہے سلطنت اور بادشاہت چھوڑ کر وہ کونسی دنیا کی راحت بخش اور بے ضرر چیز از قسم مشروبات ۔ ماکولات ملبوسات مسکونات یا سونا چاندی جواہرات سے ہے جس کے حصول کو قرآن نے برا کہا ہو ۔ ہاں اس کی بد استعمالی ایک باعث فتنہ سی ہوجاتی ہے ۔ بالفاظ دیگر وہ کونسی چیز ہے ۔ جسے ہم چاہیں اور وہ مضر اخلاق وصحت نہ ہو ۔ اور اس کی بہترین شکل کا ذکر قرآن کریم نے نہیں کیا یا ان کے حصول کی طرف قرآن نے ہماری توجہ نہ دلائی ہو ۔

" قل من حرم زینت الله التی اخرجت لعبادہ " (کہہ جو زینت اللہ تعالےٰ نے اپنے بندوں کے لئے پیدا کی ہے اس کو کس نے حرام کیا ہے) والے ارشاد نے تو ہر نعمت اور لذت بخش اشیا کا دروازہ ہم پر کھول دیا ہے ۔ قرآن پاک نے ان چیزوں کے حصول کا راستہ بھی بتلایا ہے وہ وہی راستے تھے جن پر قلیل سے قلیل عرصہ میں چلکر ہمارے بزرگ ہر قسم کے مال ومنال کے مالک بن گئے ۔ لیکن قرآن پر چلنے کے لئے جس ایمان کی ضرورت ہے ۔ اور وہ ایمان صرف نعمت یالا ہی سے پیدا ہوسکتا ہے ۔ ہم میں نہیں ۔ مثلاً نماز کو ہی دیکھ لو ۔ اس کے مقدس الفاظ ایک گھوڑے کیلئے مہمیز کا کام دیتے ہیں لیکن یہ اس کے لئے جس کے سامنے بوقت نماز کوئی مجیب الدعوات موجود ہو ۔ جو دعا کرنے والے کی آواز کو سنے اور اس کو اطمینان بخش جواب دے ۔ کیا قرآن بار بار کفار کو نہیں کہتا کہ تم کس خدا کو پکارتے ہو جو تمہیں جواب نہیں دیتا لیکن میں آج مسلم بھائیوں سے پوچھتا ہوں کہ ہم خود کس خدا کو پکارتے ہیں ۔ اگر ہمیں کوئی جواب نہیں ملتا ۔ خدا تعالےٰ نے اپنے جواب دینے کے مختلف راستے بتلائے ہیں ۔ وہ راہ آنحضرت صلعم کے بعد بند تو نہ ہوسکتے تھے ۔ آپؐ تو راستے امت مرحومہ کیلئے کھول گئے ۔ قرآن نے شیطانی القاء سے بچنے کے لئے ایک اطلاع بھی دی ۔

آج خدا بھی وہی ہے ۔ خدا کی کتاب بھی ہم میں موجود ہے ۔ اگر آنحضرت صلعم ہمارے سامنے نہیں

توان کا پاک نمونہ ہماری آنکھوں کے سامنے ہے ۔ ہاں اس چیز کو ہم گنوا بیٹھے ہیں جس کا نام خدا سے تعلق ہے اور جس کا نشان آنحضرت صلعم نے مبشرات رکھا ہے ۔ اگر اس کا ایک ادنےٰ سے ادنےٰ شمہ ہم میں پیدا ہو جائے ۔ تو ہماری نماز مہمیز کا کام دیگی ۔ ہماری سوئی ہوئی طاقتیں جاگ اٹھینگی ۔ ہم میں کا ایک آدمی سو پچاس آدمیوں کا کام دیگا ۔ پھر کونسی قوم دنیا کی ہوگی ۔ جو ہمارے سامنے ٹھہر سکے ۔ یہاں میں قرآن کی ایک آیت کا ذکر کرتا ہوں ۔ اس کے مطالب پر غور کرو ۔ پھر ان لوگوں کی زندگیوں کا مطالعہ کرو ۔ جو دین نہیں بلکہ تمہیں دنیا میں کامیاب نظر آتے ہیں ۔ تم دیکھ لوگے کہ ان کامیاب لوگوں نے اس راہ کو کسقدر اختیار کیا ہے ۔ جو قرآن نے ہمارے لئے تجویز کیا ہے وہ راہ یہ ہے ۔

والنّٰزعٰت غرقًا ہ والنّٰشطٰت نشطًا ہ والسّٰبحٰت سبحًا ہ فالسّٰبقٰت سبقًا ہ فالمدبّرٰت امرًا (سورہ نازعات)

قرآن حکم دیتا ہے کہ جو کام شروع کرو اس میں کچھ ایسے غرق ہو جاؤ کہ دوسرے کسی شغل سے تمہارا تعلق نہ ہو ۔ اس کام کی طرف یک سوئی کے باعث دوسرے امور سے کچھ ایسی بے رخی کرو کہ گویا تم میں اور اس کام میں ایک تنازع ہے ۔ اولاً تمہارا دل اس یک سوئی کو برداشت نہ کرے گا لیکن تم مصروف رہو حتیٰ کہ تمہیں اس کام میں لذت آنے لگے اور لذت کچھ ایسی ہو جائے ۔ کہ اس کے سوا تم رہ ہی نہ سکو ۔ پھر تمہاری مشاقی اس حد کی ہو جائے کہ تم اس کام میں ایک پیراک کی طرح ہو جاؤ ۔ یعنی تم وہ کام اس آسانی اور عجلت سے کرو کہ گویا پانی میں مچھلی تیر رہی ہے ۔ پھر وہیں نہیں ٹھہرنا تم اس کوشش میں رہو کہ تم اس معاملہ میں دوسروں سے آگے نکل جاؤ ۔ پھر اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تم اس فن کے ماہر اور پیر استاد بن جاؤگے ۔ لوگ تمہاری طرف ہدایت کیلئے آئینگے ۔

یہ قرآن کا حکم ہے اور ایک مسلمان پر ویسے ہی ایکطرح واجب العمل ہے ۔ جیسے نماز و روزہ فرض ہے ۔ یہی وہ رنگ تھا جو ہمارے آباؤ اجداد نے اختیار کیا جس سے ایک بتیس سال کے اندر مُردے زندہ ہوگئے ۔ اور ان مردوں پر ایک صدی نہ گذری تھی کہ وہ ہی ربع مسکون کے

مالک ہو گئے اور تمدن و راحت کی کوئی چیز نہ رہی - جو انہیں اعلےٰ پیمانہ پر حاصل نہ تھی - انہوں نے جو کام کیا حکم ربی کے ماتحت مذکورہ بالا جد وجہد کے ساتھ کیا مسلم بھائی خود ہی غور کر لیں - کہ کیا یہ رنگ آج ہم میں کہاں تک ہے - اس کا تو نام تک نہیں - اس کی ایک چھوٹی سی وجہ میں بتلاتا ہوں اسے عملاً دیکھ لیا جائے کسی امر کے متعلق اعتقاد یا اسے منجانب اللہ سمجھنا انسان میں خود وہ قوت عمل پیدا کر سکتا ہے - جو بڑی سے بڑی کوئی دوسری تحریک و تحریص پیدا نہیں کر سکتی - مثلاً دولت یا مرتبہ کا حصول بھی ایک تحریک ہے - اور وہ ہماری قوت عمل کو بڑھا سکتا ہے لیکن اگر ہمارا ایمان ہو کہ خدا تعالیٰ ہم میں امور دنیوی میں بھی مصروفیت مذکورہ بالا چاہتا ہے اور اسی مصروفیت کو ہم عبادت سمجھیں اور خدا کی خوشنودی کا حصول اسی مصروفیت میں دیکھیں - تو پھر کیوں ہم تمدن کے بادشاہ نہ ہو جائیں - ہاں یہ ایمان بھی اور اس کی تحت میں یہ قوت عمل بھی اسی مسلمان میں پیدا ہو گی - جو اس بات کا عملاً یقین کرے کہ خدا اس کا ہادی ہے - ولیم میور نے صحابہ کرام کے ایمان و عمل کی تعریف میں صفحے کے صفحے لکھ دیئے ہیں لیکن اس نے جس امر کو نمایاں طور پر لکھا وہ یہ ہے - کہ آنحضرت صلعم کا ہر ایک صحابی اپنے آپ کو خدا کے سامنے کھڑا سمجھتا تھا - وہ اس طرح چلتا ہے کہ گویا خدا کو دیکھ رہا ہے اور خدا سے ہدایت پا رہا ہے - اب اگر کسی قوم میں یہ رنگ ہو اور اس کے سامنے ایک بہترین دستور العمل ہو - اور ہر ایک کو ذاتی طور سے بذریعہ مبشرات عملی ایمان حاصل ہو کہ وہ دستور العمل خدا کا ہے - تو کیوں فوق الفوق نتائج ظاہر نہ ہوں -

بدقسمتی سے اس صدی میں ہم نے وہ زمانہ دیکھا کہ جس میں نہ صرف یہ عطیہ ربی ہی کالعدم ہو گیا بلکہ آہستہ آہستہ اس کے امکان یا وجود سے بھی ہمیں انکار ہو گیا - مذہبی زندگی جو در اصل تمدن کی بہترین زندگی تھی - وہ ایک خشک اور بے لذت چیز ہو گئی - نماز جو ہمیں دنیوی کاروبار میں کامیابی کی راہ پر لے آتی - وہ تضیع اوقات کا ذریعہ سمجھی گئی - پھر کیوں حالت جمود پیدا نہ ہو -

میں اس سے انکار نہیں کرتا کہ تمدن کے حصول کے اور بھی راستے ہیں اور ان پر بعض قومیں چل بھی رہی ہیں لیکن وہ مشکل اور لمبی راہیں ہیں - وہ پیچدار ہیں - بلکہ بعض ان میں اخلاق کو تباہ کر دیتی

ہیں کہ جو حقیقی تمدن کی جان ہیں۔ یاد رہے کہ میں کوئی مذہبی مجنون نہیں۔ جو نشہ جنون میں یہ باتیں لکھ رہا ہوں۔ میں خوب سمجھتا ہوں جو میں لکھ رہا ہوں۔ میں نے تجربہ کرکے تحریک خاصہ سے سورہ والنازعات پر اور وہ بھی نہایت ہی خفیف رنگ میں عمل کیا اور اس کے نتائج دیکھ لئے۔ علاوہ ازیں تاریخ میری شاہد حال ہے۔ اسلام سے پہلے مجھے کوئی تہذیب مثلاً مصری۔ یونانی۔ ساسانی۔ ہندی اور مغربی نظر نہیں آتی جن کی مدت چار صدی یا اس سے کچھ زیادہ رہی ہو۔ موجودہ مغربی تہذیب کا آغاز ڈیڑھ سو برس سے ہے اور خود دانایان مغرب بیانگ دہل کہہ رہے ہیں۔ کہ ہم تباہی کی طرف جا رہے ہیں۔ بالمقابل اسلامی تہذیب کا دور دورہ پورے ایک ہزار برس رہا۔ گو پہلے تین سو برس تو تمدن کو کمال کی آخری منزل پر لے آئے۔ اور اسلامی تہذیب بھی وہ تہذیب تھی جو اپنی نوعیت میں سب سے بہ وجوہ بڑھ گئی۔ مگر جب مسلمانوں میں سے حقیقی اسلامی زندگی مفقود ہونے لگی۔ لوگ اس نعمت مذکورہ بالا سے لاپرواہ ہو گئے۔ تو اس سے ان میں تعیش۔ سہل انگاری۔ تن آسانی کسل غفلت پیدا ہو گئے۔ تو پھر موجودہ نتائج آظاہر ہوئے۔ یہ امور تاریخ عالم کے واقعات ہیں۔ ہمارا فرض ہے کہ ہم اپنی سابقہ شوکت کی راہوں کی تلاش کریں اور اس پر چلیں۔ آخر وہ کونسی چیز تھی۔ جو صرف مٹھی بھر آدمیوں کو جنگ بدر میں نبرد آزمایان عرب کے سامنے لے آئی۔ اور انہیں تھوڑے عرصہ میں تباہ کر گئی۔ وہ مٹھی بھر آدمی سوائے چند نفوس کے کل کے کل نوعمر تھے۔ ہاں ان میں ہر ایک خدا کو اپنے ساتھ دیکھ رہا تھا۔ اس امر کا شعور کامل رکھتا تھا کہ اس کی امداد پر خدا کے ملائک تلے ہیں۔ وہ فتح کے متعلق خدا تعالےٰ سے اطمینان وسکینت پا چکا تھا۔ بالمقابل اس اطمینان وتسکین سے فریق ثانی محروم تھا۔ پھر کونسی وجہ تھی کہ مٹھی بھر آدمی غالب نہ ہو جاتے۔

الغرض یہ نعمت اسلامی صرف مذہبی رنگ میں بلکہ دنیوی زندگی کے ہر شعبہ میں قوت عمل کی محرک ہو جاتی ہے۔ حیرت کا مقام ہے۔ کہ آنحضرت صلعم تو یہ فرماتے ہیں کہ اگر دنیا میں چالیس مومن ہوں تو دنیا کو ہلا دیں اور ہم اس ملک میں سات کروڑ مسلمان ہیں۔ اور ہمارے ہم وطن جو بے وجہ اور زبردستی سے ہماری مخالفت پر آتلے ہیں اور ہمیں مٹانا چاہتے ہیں۔ وہ بالفرض ہم سے

تین گنا بھی ہوں۔ پھر یہ تعداد تو کوئی بڑی تعداد نہیں۔ ایمان واعتقاد جس کی پرورش مبشرات سے ہوتی ہے۔ دس گنا مخالفت کو بھی خاک میں ملا سکتا ہے لیکن ظلم تو یہ ہے۔ کہ آج صرف اس نعمت کا ہی ہم میں فقدان ہو گیا ہے۔ بلکہ اس کے امکان سے بھی ہم منکر ہو چکے ہیں ہم میں سے ایک نے جب دعوے کیا تو ہم اس کے ہلاک کرنے کی فکر میں لگ گئے۔ وہ تو اس نعمت کا مدعی تھا جس سے کل مشکلات حل ہو جاتی ہیں جس سے تصمیم ارادہ اور ہمت پیدا ہو جاتی ہے جس سے انسان مجسم عمل ہو جاتا ہے نیک کام کرنا اس کی زندگی بن جاتی ہے۔ ہاں یہ بھی سچ ہے کہ آج یہ باتیں بعض مدعیان نے استعجاب و استعجاز کے قائم کرنے کے لئے اپنے متعلق مشہور کر رکھی ہیں اور مریدین اسے لہو ولعب بنا رہے ہیں لیکن اس کی صحت کی ایک شناخت یہ ہے۔ کہ خدا تعالےٰ کی طرف سے الہام شدہ امر انسان کو مشین کی طرح کس امر نیک کے حصول میں لگا دیتا ہے۔ وہ امر ہی اس کی زندگی ہو جاتی ہے لیکن میں تو ان مدعیان الہام کو امر معروف میں اس طرح مصروف نہیں پاتا۔ ہاں مریدین کے اخلاص بڑھانے کے لئے ان کی لاف وگزاف ہوتی ہے۔ وہ دکھلانے کے لئے مذہبی زندگی کو بھی قائم رکھتے ہیں لیکن اپنے دن لہو ولعب میں گذارتے ہیں۔

گذشتہ عیسوی صدی کی ابتدا تک کل اہل مذاہب کا یہی عقیدہ تھا کہ ان کی الہامی کتابیں خدا کے منہ بولے الفاظ ہیں لیکن جب علم وسائنس کی ترقی ہونے لگی۔ اور ان مذاہب میں صدیوں سے کوئی شخص بھی ایسا نظر نہ آیا۔ جو خدا کے مخاطبہ کا مدعی ہوا ہو۔ تو آہستہ آہستہ یہ عقیدہ بھی کمزور ہو گیا۔ سائنس کوئی مذہب کی دشمن نہیں۔ بلکہ اس کی خادم ہے۔ اس نے علمی رنگ میں خدا کی ہستی منوا کر مذہب کی ایک بھاری خدمت کی ہے۔ لیکن جب اس امر کا کوئی مدعی ہی نظر نہ آئے تو پھر کس امر کی تحقیق کیجائے۔ آہستہ آہستہ یہ سمجھا گیا۔ کہ کتب الہیہ کا مفہوم تو مقدس انسانوں کے دل میں خدا کی طرف سے القا ہوا یا ان کی فطرت نے منشا الہی کو پڑھ لیا۔ اور اس منشا کو ان بزرگوں نے (انہیں انبیا کہا جائے یا رشی کہا جائے) اپنے الفاظ میں ادا کر دیا۔ اسلام میں قدیم سے قرآن کے وحی متلو ہونے کا عقیدہ چلا آیا ہے۔ اور اس سے مراد یہ ہے کہ قرآن کا لفظ لفظ خدا کی طرف سے ہے لیکن جب

ایک طرف الہام پانے والے کم نظر آتے ہیں اور دوسری طرف مغربی فلسفہ نے اس امر کی قطعاً تردید کر دی۔ تو آخر مسلمانوں میں بھی ایک جماعت اُٹھی جنہوں نے قرآن کے وحی متلو ہونے سے تو انکار کر دیا۔ ہاں اس کے مطالب کو خدا کی طرف سے الہام شدہ مانا۔ اس جماعت کے سرگروہ پچھلی صدی میں سر سید علیہ الرحمۃ تھے۔ جنہوں نے نہایت ہی شاعرانہ لطافت کے ساتھ شعر ذیل میں یہ ظاہر کیا۔ کہ قرآن مجید رسول اکرم کے الفاظ ہیں۔

ہمہ گفتار محبوب است قرآنی کہ من دارم ۔۔۔ ز جبریل امیں قرآن بہ پیامے نمی خواہم

سید صاحب علیہ الرحمۃ تو گذر گئے۔ لیکن آپ کے بعد کے زمانہ نے اور ترقی کی۔ پھر اس امر سے بھی انکار ہونے لگا۔ کہ مطالب بھی خدا کی طرف سے الہام ہوتے ہیں۔ لیکن چونکہ الہامی کتابیں خصوصاً قرآن کریم اخلاقیات و روحانیات پر بہترین کتابیں ہوتی ہیں۔ اس لئے یہ عقیدہ تھا۔ کہ جن بزرگوں کو دنیا نے انبیاء تسلیم کیا۔ وہ پیدائشاً فطرت صالح لیکر آتے ہیں۔ ان کے افعال اقوال اور خیالات میں صلاحیت ہوتی ہے۔ وہ خود ہی ایک ایسے طریق پر چلتے ہیں۔ جو منشاء ایزدی کے مطابق ہوتا ہے۔ ایسے لوگوں کے الفاظ یا احکام آخرکار الہام کے نام سے موسوم ہو جاتے ہیں۔ گویا عقیدہ الہام نے چوتھی منزل پر آن کر یہ صورت اختیار کر لی ہے۔ کہ خدا پاک کا کوئی تعلق ان کتب الہامی سے نہیں۔ الفاظ چھوڑ مطالب الفاظ بھی اس کے الہام کردہ نہیں ہوتے۔ ایک فطرت سلیمہ کا ظہور ہے۔ جو کتابوں میں ہوا ہے۔ جس کو انہوں نے بھی خدا کا الہام سمجھا۔ اب اس پر پانچویں منزل شروع ہو گئی ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ یہ لوگ اچھے تھے۔ اپنے اپنے وقت کے ریفارمر تھے۔ ان کی کوئی باتیں اچھی تھیں۔ لیکن کوئی امور ہمارے مناسب حال نہیں۔ اس لئے ان کی تعلیم میں سے اچھی باتیں لے لی جائیں۔ اور باقی باتوں کو چھوڑ دیا جائے لیکن انہیں خدا کی طرف سے نہ سمجھا جائے۔ اور خدا کا نام بھی اس لئے لیا جاتا ہے۔ کہ آجکل کی علمی تحقیق کسی مدبر بالارادہ خالق کے ماننے پر مجبور ہو چکی ہے۔ اس کا لازمی نتیجہ یہی ہونا تھا۔ کہ اس وقت مذہب سے لاپروائی شروع ہو جائے۔ گو یہ امر بھی بدیہہ ہے۔ کہ جب ہر ایک امر ایک نہ ایک خدا کے تجویز کردہ قانون کے ماتحت ہو رہا ہے۔ اور اس خدا نے انسان کے سوا ہر ایک چیز کو صحیح راہ پر چلنے کی ہدایت کی ہے۔ جیسے کہ قرآن نے فرمایا۔ ربنا الذی اعطا کل شئ خلقہ ثمہ ھدٰی (یعنی میرا رب وہ

ہے۔ کہ جس نے ہر ایک چیز کی شکل صورت اور اس کے خواص تجویز کئے۔ اور پھر اسے ایک رستے کی ہدایت کی جس پر وہ چیز چلکر تکمیل کو پہنچ گئی ؛ جب ہر ایک مخلوق کو خدا کی طرف سے ہدایت ہو۔ تو کیوں انسان ایسی ہدایت سے محروم رکھا جائے اور چونکہ مخلوقات میں سے ایک انسان کو ہی ایک وسیع مدرکہ عطا کیا ہے۔ اور اسے قوت اختیاری بھی بخشی گئی ہے۔ اس لئے اس قوت اختیاری کے صحیح طور پر استعمال کرنے کے لئے اس کی ہدایت بھی مخصوص الہام کے ذریعہ ہونی چاہیئے جس میں قوت اختیاری کے استعمال کی صحیح قدرت ہو۔ اس سے یہ تو سمجھ آجاتا ہے کہ الہام ہونا چاہیئے لیکن یہ امر اس ثبوت کے بمنزلہ نہیں کہ الہام ہوتا ہے۔ یہ اسی صورت میں ہوگا۔ کہ جب کوئی مدعی الہام سامنے موجود ہو۔ اور اپنے دعوے میں الہام کو پیش کرے۔ جو کسی ایسے علم کو ظاہر کرے جس کا حصول فوق العادۃ ہو۔ لیکن اسی صورت میں اس کا الہام اس امر کے ثبوت میں پیش ہو سکتا ہے۔ کہ جب وہ الہام اپنے الفاظ میں پیش از وقت شائع ہو چکا ہو۔ یہ تو آسانی سے سمجھ میں آسکتا ہے۔ کہ کسی وقت خدا تعالےٰ اپنے منشا کو مکمل رنگ میں ظاہر کرے۔ اور اس کی منشا جن الفاظ میں ظاہر ہو۔ وہ ہمیشہ کے لئے محفوظ بھی رہیں۔ لہٰذا اس امر کو قبول کر لینا بھی قرین عقل ہے کہ کوئی کتاب مثلاً قرآن شریف خدا کا آخری الہام ہو جس کے بعد اور کسی ہدایت نامہ کی ضرورت نہیں۔ ایسا ہی جس انسان کی معرفت یہ ہدایت نامہ آیا۔ وہ خاتم النبیین ہو۔

یہ سب صحیح ہے اور ہم اس پر ایمان رکھتے ہیں۔ اور آپؐ کے بعد کسی نبوت کاملہ کے عقلاً اور نقلاً قائل نہیں۔ وہ چند لوگ جو حضرت مرزا صاحب کی نبوت تامہ کے قائل ہونے لگے ہیں۔ وہ ہی ان کے الہام میں یہ رنگ بتلاتے ہیں۔ مجھے تو وہ رنگ نظر نہیں آتا۔ قرآنی تعلیم کے ماسوا کوئی امر آپ کے الہام میں مجھے ایسا نظر نہیں آتا جو روح و اخلاق کی تعمیر کے لئے آپ نے تعلیم کیا ہو۔ ہاں چونکہ وہ قرآن کی اتباع میں لکھا اور نبوت کی بھاری وجہ تو ایسی تعلیم ہوتی ہے لیکن یہ سب کی سب باتیں اسی وقت مانی جا سکتی ہیں۔ جب دنیا یہ تسلیم کرے۔ کہ خدا بولا بھی کرتا ہے۔ اگر خدا کے بولنے کو ہی تسلیم نہ کیا جائے۔ تو اس کتاب کا من جانب اللہ ہونا کیسے ثابت ہوگا۔ یہ ضروری نہیں کہ اس قسم کی کتاب بار بار آئے۔ وہ ایک فعل عبث ہوگا لیکن اس ایمان کا ہونا ضروری ہے۔ کہ خدا بولا کرتا ہے۔ مثلاً آج ایک انسان لاہور میں

اس امر کا مدعی ہے۔ کہ اس کے پاس ایک ہنڈی امرتسر سے بذریعہ ڈاک آئی ہے لیکن اگر لاہور اور امرتسر میں کوئی ڈاک کا ذریعہ ہی نہ ہو اور اس کا ثبوت اس طرح ہوگا۔ کہ معمولی خطوط بذریعہ ڈاک آتے جاتے ہیں۔ تو پھر اس ہنڈی کی صحت کو کون قبول کرے گا۔

سو جیسے کہ میں نے ابھی عرض کیا۔ کہ ہم اسی وقت قرآن کریم کا ایک باحکمت اور حسب ضرورت انسان کتاب ہونا یا ہر ایک ضرورت انسانی کے لئے مکتفی ہونا دلائل قاطع سے منوا سکتے ہیں اور یہ بھی ہم دکھلا سکتے ہیں۔ کہ قرآن کا سرچشمہ الہام ہے لیکن اس کے متعلق یہ ماننا کہ یہ کتاب خدا کے منہ بولے الفاظ ہیں۔ تب تک تسلیم نہیں ہو سکتا۔ جب تک خدا کا بولنا تسلیم نہ کیا جائے مصیبت تو یہ ہے۔ کہ پچھلی صدی سے بھی اہل الرائے نے کسی انسان کے ساتھ خدا کے بولنے کو ناممکن سمجھا ہے۔ اس لئے سر سید نے مطالب قرآن کو تو منجانب اللہ قرار دیا۔ لیکن قرآن کے وحی متلو ہونے سے انکار کر دیا۔ لیکن آج تو اس سے بھی انکار ہو رہا ہے۔ اس وقت کے فلسفہ کے مطابق بڑی سے بڑی بات یہ مانی جا سکتی ہے۔ کہ قرآن کریم ایک بہترین انسانی دماغ کا نتیجہ ہے۔ جس سے بہتر کوئی اور دماغ پیدا نہیں ہو سکتا۔ وہ ہر ضرورت انسانی کے لئے مکتفی ہے لیکن خدا کی طرف سے نہیں۔

خدا کی طرف سے کسی کتاب کا باضابطہ ہونا اسی وقت تسلیم کیا جائیگا۔ جب کوئی شخص نہ صرف اس بات کا ہی مدعی ہو۔ کہ خدا مجھ سے گفتگو کرتا ہے۔ بلکہ وہ اس بات کا بھی مدعی ہو۔ کہ اس کے بعض ملنے والے یا اس کے قدم بہ قدم چلنے والے خدا سے مخاطبہ کا شرف حاصل کر سکتے ہیں۔ اس کی اپنی ہی پیشینگوئیاں بھی بعض وقت بعض کے لئے تشفی بخش نہیں ہوئیں لیکن جب اس کے شاگردوں میں سے چند ایک متدین اشخاص .... اس بات کی شہادت دیں کہ انہوں نے صدہا باتیں اس شخص سے سنیں جو فوق العادت طریق پر پوری ہوگئیں جس سے ایک زندہ خدا کا ثبوت مل گیا۔ پھر انہوں نے خود بھی ایسی نعمت پائی۔ تو یہی ایک طریق ہے۔ کہ جس کے ذریعہ یہ ثابت ہوگا۔ کہ الہام بذریعہ وحی متلو ہوتا ہے میں نے یہ بحث حضرت مرزا صاحب کو سامنے رکھکر نہیں کی۔ میں تو ہر ایسے شخص کی تلاش میں ہوں جو خدا سے ہمکلام ہونے کا شرف رکھتا ہو۔ اور اس کا اہل ہو کہ دوسروں کو بھی اس نعمت سے کسی

حد تک بہرہ اندوز کرا دے۔ اور بقول حضرت مرزا صاحب اس امت مرحومہ نے صدہا اولیا صاحب مکالمہ پیدا کئے۔

اب اگر امت مرحومہ میں بعثت مجددین کی ایک بھاری غرض یہ ہو۔ اور میں آگے چلکر اس بعثت کی اور ضروریات پر بھی کچھ بحث کروں گا۔ تو آنحضرت صلعم کے وقت کے بعد تیرھویں صدی نے وہ زمانہ دیکھا ہے۔ کہ جب الہام کے وجود سے ہی انکار ہو گیا ہے۔ آگے تو مسلم غیر مسلم کتابی مذاہب میں صرف اسی قدر تنازعہ تھا۔ کہ کس کتاب کو من جانب اللہ کہیں جس کے لئے دوسرے دلایل کی ضرورت ہوتی تھی۔ آج ہر کتاب کے من جانب اللہ ہونے سے ہی انکار ہے۔ دانایان مغرب معجزہ کے اس لئے منکر ہیں۔ کہ آج ان خوارق کا اعادہ نہیں ہوتا۔ وہ کہتے ہیں کہ مردے زندہ نہیں ہوسکتے۔ رہے بعض معجزات سو وہ ان قوانین کے ماتحت ہو سکتے تھے۔ جن کا علم زمانہ سابقہ کے لوگوں کو نہ تھا۔ بہرحال معجزہ کے نہ ہونے نے وجود معجزہ سے انکار کرا دیا۔ یہی حالت کتاب اللہ کی ہے۔ عیسائی۔ یہودی۔ آریہ جیسے کہ میں اوپر لکھ چکا ہوں۔ آج علی العموم اس امر کو تسلیم نہیں کرتے۔ کہ ان کی کتب خدا کے الفاظ ہیں۔ مسلمانوں میں سے بھی عموماً تعلیم یافتہ اصحاب کا بھی وہی مذہب ہے۔ جو سرسید کا ہے۔ اب اگر یہی عقیدہ صحیح ہے کہ قرآن خدا کے منہ بولے الفاظ ہیں۔ تو اس صدی کے مجدد کا فرض اولین تھا کہ وہ مکالمہ الہیہ کے وجود پر زور دے۔

چونکہ قرآن کے نزول پر نبوت تامہ ختم ہو گئی۔ اور اس کے بعد نبوت کی ایک جزو باقی رہ گئی۔ تو اس لئے اصطلاح اسلام میں اس نعمت کے مفہوم کے ظاہر کرنے کے لئے مختلف الفاظ تجویز کئے گئے کہیں اسے مبشرات کہا گیا کہیں محدثیت کے نام سے یہ موسوم ہوئی کسی نے اسے مکالمہ الہیہ سے تعبیر کیا۔ غالباً حضرت محی الدین عربی نے اس کا نام غیر تشریعی نبوت رکھا۔ حضرت شیخ عبدالقادر گیلانی قدس سرہ نے اس کو نبوت سے تعبیر کیا۔ اور حضرت مجدد الف ثانی نے اس کا نام نبوت بروزی رکھا۔ والا یہ امر مسلم ہے کہ یہ تینوں چیزیں ابتدائی اجزا اس عظیم الشان حقیقت کے ہیں جس کا نام نبوت کاملہ ہے۔ اور جو آنحضرت صلعم پر ختم ہو گئی۔ اب مشکل یہ آن پڑی کہ ہمارا معاملہ نہ صرف مسلم دنیا کی اصلاح

ہے۔ بلکہ ایک کافی تعداد انسانوں کی وہ بھی ہے۔ جو ان اصطلاحات مختلفہ سے بالکل ناآشنا ہیں۔ وہ تو ایک ہی لفظ یعنی نبوت کو جانتے ہیں۔ چنانچہ بائیبل کی اصطلاح میں خدا سے علم پاکر پیشگوئی کرنیوالا نبی کہلاتا ہے۔ اور وہاں کل کے کل صلحاء کو نبی کرکے پکارا گیا ہے حالانکہ ان میں صاحب کتاب بہت کم تھے۔ اور ان معنوں میں ہرگز نبی نہ تھے۔ جن میں اسلام نے یہ لفظ استعمال کیا ہے۔ یہی حالت ہندوؤں کی ہے۔ ان کے سمجھانے کے لئے مبشرات یا محدثیت جیسے الفاظ کا بولنا ایک ناآشنا امر کو پیش کرنا ہے۔ گو یہ امر مسلم ہے کہ الفاظ اپنے لغوی معنوں میں قائم نہیں رہتے۔ بلکہ اصطلاح میں آکر ان کے کوئی کے کوئی معنے ہوجاتے ہیں۔ اور عربی زبان میں یہی حالت لفظ نبوت کی ہے۔ اس کے لغوی معنے تو بالضرور خدا سے خبر پانے کے ہیں لیکن اسلامی اصطلاح میں نبوت سے مراد وہ عظیم الشان احکام واخبار اللہ ہیں جن میں خدا کی طرف سے شریعت نازل ہوتی ہے۔ ایسا ہی لفظ رسول آج بھی عرب میں اپنے لغوی معنوں (یعنی قاصد) میں ہی استعمال ہوگا۔ ہم مسلمان تو یہ تمیز کرسکتے ہیں لیکن غیر مسلم دہریہ منش اصحاب کے سامنے اگر یہ کہا جائے۔ کہ مبشرات تو جاری ہیں۔ البتہ نبوت نہیں۔ تو وہ ان باتوں میں تمیز نہیں کرسکتے۔ ان کے سامنے مجبوراً یہ کہنا پڑے گا۔ کہ نبوت آج بھی جاری ہے اور فلاں شخص نبی یا رسول ہوکر آیا ہے۔ البتہ ایسا لکھنے والے کا یا ان الفاظ کو اس رنگ میں ضرورتاً استعمال کرنیوالے کا فرض یہ ہے۔ کہ جہاں کوئی وہ لفظ نبی یا رسول کو استعمال کرے۔ ساتھ ہی اس بات کی بھی تشریح کردے۔ کہ اس نبوت سے مراد نبوت حقیقی نہیں۔ اس سے مراد صرف مکالمہ الہیہ ہے۔ چنانچہ حضرت مرزا صاحب نے ایسا ہی کیا۔ اگر ان کے کسی الہام میں رسول یا نبی کا لفظ آیا تو انہوں نے اسی موقعہ پر تشریح کردی کہ میری رسالت یا نبوت وہ نہیں ہے۔ جو آنحضرت صلعم پر ختم ہوچکی ہے۔ میری نبوت کے معنے تو خدا کا ہم کلام ہوتا ہے۔ میں دیکھتا ہوں کہ حضرت مرزا صاحب نے اس معاملہ میں کچھ اس قدر احتیاط سے کام لیا ہے کہ مجھے ان کی زندگی میں ان کا یہ تکرار چنداں ضروری نظر نہ آتا تھا۔ جب ایک شخص نے پانچ دس دفعہ اس امر کی تشریح کردی ہو۔ تو پھر بار بار ایسے تکرار کی کیا ضرورت تھی۔

یہ میرے خیالات آپ کے وصال تک تو رہے۔ لیکن آپ کی رحلت کے سات آٹھ برس بعد ہی

ان باتوں کے اظہار سے جو قادیانی صحاب نے ان مسائل پر کئے مجھے اپنی غلطی کا اعتراف کرنا پڑا جب حضرت کے اس تکرار کے باوجود آپ کی نبوت ناقصہ پر اس قدر غلو ہوا۔ تو دوسری صورت نہ معلوم کیا کا کیا بنایا جاتا۔ لہٰذا جس دوربینی سے حضرت مرزا صاحب نے اپنی نبوت کو محض ظلی۔ بروزی اور ناقص نبوت ٹھہرا کر نبوت کاملہ سے بار بار قطعیٔ انکار کیا۔ اس کی جسقدر بھی تعریف کی جائے۔ تھوڑی ہے۔

مگر حضرت مرزا صاحب کی وفات کے بعد ہی ان آیندہ کے معماران نبوت قادیانی پر بدقسمتی سے ایک وقت آگیا جب انہوں نے اپنی غلط اغراض کا پورا ہونا جماعت احمدیہ کے دو ٹکڑے ہو جانے میں دیکھا۔ میں اس موقع پر اس امر کا اظہار کر دینا چاہتا ہوں کہ معماران مذکورہ بالا کی ان تجاویز میں جہانتک مجھے علم ہے۔ حضرت صاحبزادہ میاں محمود احمد صاحب نے بہت کم حصہ لیا۔ ویسے ان کی عمر بھی اس وقت کوئی ۲۰ سال کی ہوگی۔ احمدی جماعت تو اس زمانہ میں ایک قسم کی بنیان مرصوص تھی۔ عمارت احمدیت کی کل اینٹیں نہایت ہی اتصال کے ساتھ ایک دوسرے سے جڑی ہوئی تھیں۔ وہ جماعت ایک جان تھی۔ جو ہزارہا قالب میں کام کر رہی تھی۔ چنانچہ اس قبیح ارادہ کی اطلاع بھی خدا تعالیٰ نے ایک بزرگ کو بتنبیا کی یعنی اس عمارت کی مضبوط اینٹوں کو تعمیر سے جدا ہوتے ہوئے۔ اس نے رویا میں دیکھا۔ مگر اس ہم آہنگ جماعت کو ایک دوسرے سے جدا کرنا اسی قدیمی قضیہ کے تکرار کو چاہتا تھا جس سے بھائی بھائی سے جدا ہو جایا کرتے ہیں۔ میری مراد اختلاف عقائد سے ہے۔ تاریخ نے اپنے واقعات دہرائے۔ سنہ ۱۹۱۰ء میں مسلم یونیورسٹی کا خیر مقدم کرتے ہوئے میں نے لاہور میں ایک لکچر دیا جس میں میں نے اپنی جماعت کا عقیدہ ظاہر کیا اور کہا کہ اسلام میں کوئی فرقہ نہیں۔ نہ کوئی اہل کلمہ کافر ہوسکتا ہے۔ کوئی اہل کلمہ کسی فرقہ سے تعلق رکھے وہ مسلمان ہے۔ مسلم فرقوں میں جو اختلاف ہے وہ اصول کا نہیں بلکہ فروعی اختلاف ہے۔" اول تو قرآن سے ہی یہ باتیں نظر آتی ہیں لیکن میری باتیں وہ باتیں تھیں۔ جو خود حضرت مرزا صاحب نے غالباً ۱۹۰۳ء میں سیالکوٹ جاتے ہوئے وزیر آباد سٹیشن پر پادری سکاٹ کو کہیں۔ حضرت کی منشا یہ تھی کہ اسلام کی ایک یہ بھی صداقت ہے کہ جہاں ہر غیر مسلم مذہب اصولاً بیشمار فرقوں میں تقسیم ہو چکا ہے۔ وہاں ان معنوں میں اسلام میں کوئی فرقہ نہیں۔ یعنی اسلام نے اپنے اصول ایسے واضح کر دیئے ہیں کہ ان میں کوئی اختلاف

کی گنجائش ہی نہیں۔ میں یہاں حضرت مرزا صاحب کے الفاظ لکھ دیتا ہوں۔ جو اخبار الحکم قادیان نے غالباً دسمبر ۱۹۰۴ء میں درج کئے۔

"مجھے تعجب ہے کہ آپ اسلام پر اعتراض کرتے ہیں۔ کیا آپ کو معلوم نہیں کہ عیسائیوں میں کس قدر فرقے ہیں۔ جو ایک دوسرے کی تکفیر کرتے ہیں اور اصولوں میں بھی متفق نہیں مسلمانوں کے فرقوں میں اگر کوئی اختلاف ہے تو فروعات اور جزیات میں ہے۔ اصول سب کے ایک ہیں"

میری یہ باتیں تو بالکل سچی تھیں لیکن یار لوگ تو فساد کے فکر میں ہی تھے۔ اس سے پہلے بھی جب میری با مولوی محمد علی صاحب کی عرض پر حضرت قبلہ حکیم نورالدین صاحب مرحوم نے بحیثیت امیر جماعت احمدیہ مسلم یونیورسٹی کو ایک ہزار روپیہ دینے کا اعلان کیا تو انہوں نے اس پر طرح طرح کی چہ میگوئیاں شروع کرا دیں۔ آج وہی فعل پچھلی گرمیوں میں خود کیا گیا لیکن جوں ہی میں نے ۱۹۱۱ء میں یہ لیکچر لاہور میں دیا۔ اور وہ پیسہ اخبار میں بھی چھپ گیا۔ تو اس کے چند دن بعد ہی حضرت میاں محمود احمد صاحب کے نام پر قادیان سے ایک رسالہ نکلا جس میں لکھا گیا کہ مسلمان وہی ہے۔ جو حضرت مرزا صاحب کے دعوے کو قبول کرے۔ یہ ٹریکٹ آیندہ مخالفت کی بنیاد تھا۔ یہ رسالہ پانچ ہزار کاپی کی تعداد میں شائع ہوا لیکن کہا جاتا ہے کہ حضرت حکیم صاحب نے اپنے سامنے اس کی کل کاپیاں منگوا کر جلا دیں۔ اور تکفیر اہل کلمہ کی سخت مخالفت کی۔ بدقسمتی سے اس کفرنامے کی ایک کاپی امرتسر کے مخالف کیمپ میں پہنچ گئی۔ وہ تو مدت سے اس فکر میں تھے۔ کہ مسلمانوں کے اس بڑھتے ہوئے رجحان کو روکیں۔ جو ان میں حضرت کے متعلق پیدا ہو رہا تھا۔ ان مخالفین احمدیت نے اس ٹریکٹ کی اشاعت کو اپنے لئے مفید پایا۔ یہ ظاہر ہے کہ اس قسم کے عقائد غیر احمدی مسلمانوں کو احمدیت کی سخت مخالفت پر جمع کرنے والے تھے۔ چنانچہ ان مخالفان احمدیت نے اپنے خرچ سے اس کفرنامے کی کئی ہزار کاپیاں شائع کیں۔ اور ملک کے ہر حصہ میں پھیلا دیں۔ اس کفرنامے کے ساتھ ایک تتمہ بھی لگا دیا اور کہا گیا کہ احمدی لوگ تو کل مسلمانوں کو کافر اور دائرہ اسلام سے ہمیشہ خارج سمجھتے تھے لیکن اب چھپی ہوئی بات ظاہر ہوئی ہے۔ اس کے ساتھ یہ بھی لکھا گیا کہ عنقریب ان کے اور عقائد بھی ظاہر ہوں گے۔ یہ منحوس پیشگوئی آخر پوری ہو کر رہی۔

حضرت حکیم صاحب مرحوم کی بالغ نگاہ نے فوراً دیکھ لیا کہ جو لوگ اہل کلمہ کو اسوقت کافر ٹھہراتے ہیں۔ وہ اس عقیدہ پر قائم ہو کر ایک نہ ایک دن حضرت مرزا صاحب کی نبوت کے قائل ہو جائیں گے۔ اور اس کا اعلان کریں گے۔ چنانچہ حضرت قبلہ حکیم صاحب مرحوم اپنی بقیہ زندگی میں یہ دو ہی باتیں شد و مد سے بیان کرتے رہے ایک یہ کہ کوئی اہل کلمہ کافر نہیں۔ دوسرا یہ کہ حضرت مرزا صاحب نبی نہیں۔

اس کفر نامہ کے کچھ عرصہ بعد میں نے حضرت مرزا بشیر الدین احمد صاحب کو ان کے ایک عزیز کی معرفت کہلا بھیجا۔ کہ وہ حضرت مرزا صاحب کی تحریروں کے مطابق کسی اہل کلمہ کو کافر نہیں ٹھہرا سکتے۔ جب تک کہ مرزا صاحب کو نبی نہ مانا جائے۔ کیونکہ خود حضرت اعلیٰ نے اپنی کتاب تریاق القلوب[1] میں لکھا ہے۔ کہ میرے دعوے کے انکار سے کوئی کافر نہیں ہو سکتا ہے۔ آپ نے وہاں لکھا کہ نبی کے انکار سے ہی کوئی شخص کافر ہو سکتا ہے۔ میں نے ساتھ ہی یہ کہلا بھیجا کہ "یہ کتاب اس کفر نامہ کی بالتصریح تردید کرتی ہے حضرت کے منکر صرف آپ کے دعوے کی انکار پر کافر نہیں ہو سکتے۔ اور اس کی وجہ جو حضرت نے کھلے طور پر بیان کی ہے۔ وہ یہ ہے۔ کہ میں نبی نہیں ہوں۔ اس لئے میرے دعوے کا انکار مستلزم کفر نہیں۔ لہذا پہلے مرزا کو نبی بناؤ اور پھر دنیا کو کافر کہو۔ یہ واقعہ غالباً ۱۹۱۱ئ کا ہے۔ اس کے بعد مسئلہ کفر کسی قدر دھیما پڑ گیا۔ اور میں ولایت چلا گیا لیکن جس وقت حضرت حکیم صاحب کی وفات کے بعد مذکورہ بالا اصحاب کو یہی

---

[1] تریاق القلوب کے صفحہ ۱۳۰ پر آپ نے لکھا کہ "ابتدا سے میرا یہی مذہب تھا۔ کہ میرے دعوے کے انکار کی وجہ سے کوئی شخص کافر یا دجال نہیں ہوگا۔ پھر اس صفحہ کے حاشیہ میں آپ نے لکھا ہے: "یہ نکتہ یاد رکھنے کے لائق ہے کہ اپنے دعوے کے انکار کرنے والے کو کافر کہنا یہ صرف ان نبیوں کی شان ہے۔ جو خدا تعالیٰ کی طرف سے شریعت اور احکام جدیدہ لائے ہیں لیکن صاحب الشریعت کے ماسوا جس قدر ملہم اور محدث ہیں۔ گو وہ کیسے ہی جناب الہی میں اعلیٰ شان رکھتے ہوں۔ اور خلعت مکالمہ الہیہ سے سرفراز ہوں۔ ان کے انکار سے کوئی کافر نہیں بن جاتا پھر آپ نے اس کتاب کے صفحہ ۱۳۱ میں لکھا ہے:۔

میرا یہی مذہب ہے کہ میں کسی مسلمان کو کافر نہیں جانتا۔

منظور ہوا کہ جماعت کے دو ٹکڑے ہو جائیں۔ اور اختلاف عقائد کے سوا یہ ناشدنی تقسیم ہو نہ سکتی تھی۔ چنانچہ اس وقت بھی مسئلہ تکفیر کلمہ گویان نے ایک حد تک احمدیہ جماعت میں دو کیمپ پیدا بھی کر دیئے تھے۔ ہمیں غیر احمدی اصحاب ایک مدت تک کافر کہتے رہے۔ اس سے ہمیں اذیت بھی پہنچتی رہی۔ اب ہم میں سے بعض کو انتقام لینے کا موقعہ مل گیا چنانچہ انہوں نے طبعاً غیر احمدیوں کی تکفیر کو نظر استحسان سے دیکھا۔

۱۹۱۴ء کے آخر میں جب میں پہلی دفعہ ولایت سے آیا۔ تو میں نے از راہ ہمدردی جماعت کو حضرت اقدس کی باتیں یاد دلا کر جماعت میں اتفاق پیدا کرنے کی کوشش کی چنانچہ میں نے آخر دسمبر کو اندرونی اختلاف جماعت پر ایک لکچر دیا۔ اس میں یہ بھی کہا کہ ہمیں حضرت میاں صاحب کی سیادت سے کیا انکار ہو سکتا ہے لیکن ہم سنتے ہیں۔ کہ میاں صاحب حضرت مرزا صاحب کو نبی قرار دے رہے ہیں۔ اور لوگوں کو کافر کہتے ہیں۔ اگر وہ ایسا نہیں کہتے تو پھر تو وہ ہمارے سردار ہیں لیکن وہ اصحاب جو اس بات کے فکر میں تھے۔ کہ جماعت کے دو ٹکڑے ہو جائیں اور حضرت صاحب کی تیار کی ہوئی صدر انجمن احمدیہ کی حکومت سے آزاد ہو کر ایک شخص کی قیادت میں آجائیں۔ اُن کو میری یہ تجویز اتفاق کب پسند آتی تھی اور تجربہ نے ان پر ظاہر کر دیا تھا۔ کہ مسئلہ تکفیر کلمہ گویان نے ہی پمفلٹ مذکورہ بالا کی اشاعت کے بعد احمدیوں میں ایک الگ جماعت مکفرین کی پیدا کر دی ہے۔ وہ خوب سمجھے تھے۔ کہ جس وقت تکفیر کا مسئلہ ختم ہوا۔ فوراً اتفاق ہو جائیگا۔ انہیں ہمارے مطالبات مذکورہ بالا پر یہ بھی سمجھ آگئی۔ کہ تکفیر مسلمین کا قیام تب تک ہی رہ سکتا ہے۔ کہ جب حضرت مرزا صاحب کو نبی بنایا جائے۔ چنانچہ ۱۹۱۵ء میں حضرت صاحبزادہ میاں محمود احمد صاحب کی قلم سے ایک کتاب موسوم بہ حقیقت النبوت لکھوائی گئی۔ اور اس میں شد و مد سے ان ہی دو باتوں کا ذکر کیا گیا۔ لکھنے کو تو یہ باتیں لکھدی گئیں مگر ع کہ عشق آساں نمود اول ولے افتاد مشکلہا۔ کی صورت پیدا ہو گئی۔ انسان جلد بازی میں ایک غلطی کر بیٹھتا ہے لیکن بعد میں اس کی تائید میں اسے بہت سی اور غلطیاں مجبوراً کرنی پڑتی ہیں۔ حضرت میاں صاحب کے سامنے یہ دقت پیدا ہو گئی۔ کہ جس بزرگ کے متعلق دعوئے نبوت کی تجویز ہو رہی ہے۔ اسے خود دعوئے نبوت سے انکار ہے۔ یوں تو حضرت مرزا صاحب کے ابتدائی سے ابتدائی الہامات میں جو غالباً ۱۸۸۰ء میں آپ کی کتاب براہین احمدیہ میں چھپے۔ آپ کو خدا تعالے نے نبی اور رسول کے خطاب سے مخاطب کیا تھا۔ لیکن جہاں بھی آپ نے اس

قسم کے الہام درج کئے۔ اسی جگہ جیسے کہ میں پہلے لکھ چکا ہوں۔ یہ بھی تشریح کر دی کہ یہ دونوں لفظ حقیقی طور پر استعمال نہیں ہوئے۔ بلکہ مجازی طور پر استعمال ہوئے ہیں۔ پھر اسی کتاب پر اکتفا نہیں کی۔ بلکہ اس کے بعد جو کتاب چھوٹا اشتہار تک بھی آپ نے لکھا۔ جہاں کہیں ان میں نبی یا رسول کا لفظ آپ کے متعلق آیا تو ساتھ ہی اس بات کا تکرار بھی کیا گیا۔ بلکہ مولوی عبدالحکیم کے مقابل میں آپ نے بمقام لاہور لکھدیا۔ کہ اگر لفظ نبی جو مجازاً استعمال ہوا ہے تکلیف دہ ہو تو اسے میری کتابوں سے کاٹا ہوا سمجھا جائے۔ مخالف علماء تو اس تلاش میں تھے۔ وہ ان الہاموں کو برابر پیش کرتے۔ اور آپ پر دعوئے نبوت کا الزام لگاتے۔ بالمقابل آپ اس کی برابر تردید کرتے۔ حتیٰ کہ آپ نے اپنی کتاب سراج منیر میں ذیل کے الفاظ لکھے :۔

" جھوٹے الزام مجھ پر مت لگاؤ کہ حقیقی طور پر نبوت کا دعوےٰ کیا۔ کیا تم نے نہیں پڑھا۔ کہ محدّث بھی ایک مرسل ہوتا ہے۔ کیا قرأت ولا محدث کی یاد نہیں رہی۔ پھر کیسی بیہودہ نکتہ چینی ہے کہ مرسل ہونے کا دعوےٰ کیا ہے۔ اے نادانو! بھلا بتلاؤ کہ جو بھیجا گیا ہے اس کو عربی میں مرسل یا رسول ہی کہیں گے یا کچھ اور کہینگے۔ مگر یاد رکھو کہ خدا کے الہام میں اس جگہ حقیقی معنی مراد نہیں۔ جو صاحب شریعت سے تعلق رکھتے ہیں۔ بلکہ جو مامور کیا جاتا ہے وہ مرسل ہی ہوتا ہے۔ یہ سچ ہے کہ وہ الہام جو خدا نے اپنے بندہ پر نازل فرمایا اس میں اس بندہ کی نسبت نبی۔ رسول اور مرسل کے لفظ بکثرت موجود ہیں۔ سو یہ حقیقی معنوں پر محمول نہیں ہیں ولکل ان یصطلح سو خدا کی یہ اصطلاح ہے۔ جو اس نے ایسے لفظ استعمال کئے۔ ہم اس بات کے قائل اور معترف ہیں کہ نبوت کے حقیقی معنوں کی رو سے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نہ کوئی نیا نبی آسکتا ہے۔ نہ پرانا۔ قرآن ایسے نبیوں کے ظہور سے مانع ہے بلکہ مجازی معنوں کی رُو سے خدا کا اختیار ہے کہ کسی ملہم کو نبی کے لفظ سے یا مرسل کے لفظ سے یاد کرے۔ کیا تم نے وہ حدیثیں نہیں پڑھیں۔ جن میں رسول رسول اللہ آیا ہے۔ عرب کے لوگ تو اب تک انسان کے فرستادہ کو بھی رسول کہتے ہیں۔ پھر خدا کو کیوں یہ حرام ہوگیا۔ کہ مرسل کا لفظ مجازی معنوں پر بھی استعمال کرے۔ کیا قرآن میں سے فَقَالُوا اِنَّا اِلَیۡکُمۡ

مرسلون بھی یاد نہیں رہا۔ الفاظاً دیکھو کیا یہی تکفیر کی بنا ہے۔ اگر خدا کے حضور میں پوچھے جاؤ تو بتاؤ میرے کافر ٹھہرانے کے لئے تمہارے ہاتھ میں کونسی دلیل ہے بار بار کہتا ہوں کہ یہ الفاظ رسول اور مرسل اور نبی کے میرے الہام میں میری نسبت خدا تعالیٰ کی طرف سے بیشک ہیں لیکن اپنے حقیقی معنوں پر محمول نہیں ہیں۔ ایسے ہی وہ نبی کر کے پکارنا حدیثوں میں مسیح موعود کے لئے آیا ہے۔ وہ بھی اپنے حقیقی معنوں پر اطلاق نہیں پاتا۔ یہ وہ علم ہے۔ جو خدا نے مجھے دیا ہے۔ جس نے سمجھنا ہو سمجھ لے۔ میرے پر یہی کھولا گیا ہے۔ کہ حقیقی نبوت کے دروازے خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بکلی بند ہیں۔ اب نہ کوئی جدید نبی حقیقی معنوں کی رو سے آسکتا ہے۔ اور نہ کوئی قدیم نبی۔"

بہر حال **معماران نبوت** قادیان کے اعمال کے نتائج حضرت میاں صاحب کے گلے آپڑے۔ اب وہ کسی قدر سن رشد کو پہنچتے جاتے تھے۔ شاید ۱۹۱۵ء میں ان کی عمر ۲۵-۲۶ سال ہوگی۔ انہوں نے دیکھا کہ ۱۸۸۰ء سے لیکر ۱۹۰۱ء تک جس کتاب پر ہاتھ ڈالا جائے۔ وہاں حضرت نبوت سے انکار کرتے ہی نظر آتے ہیں۔ آخر صرف ایک مختصر سا اشتہار نظر آن پڑا جس کی طرف میں نے اوپر اشارہ کیا ہے۔ اس کا عنوان ایک غلطی کا ازالہ تھا۔ اس میں حضرت صاحب نے یہ تو لکھا کہ یہ غلطی ہے کہ مجھے نبی نہ کہا جائے لیکن ساتھ ہی یہ بھی لکھا کہ میری نبوت۔ ایک ظلی نبوت ہے۔ تابع میں متبوع کا ایک عکسی رنگ ہوتا ہے۔ اسی اشتہار میں بار بار آپ نے نبوت کاملہ سے انکار کیا۔ حقیقۃ الوحی کی چند مبہم سطور کے سوا اور کہیں **معماران نبوت** کا ہاتھ نہ پڑتا تھا۔

کاش! حضرت میاں صاحب ان ناعاقبت اندیش حوالی موالی مشیروں کے قبضہ میں نہ آتے جنہیں بعض اس قسم کے مولوی تھے۔ کہ جن کا لفظی تنازعات میں پڑنا اور محکمات کو چھوڑ متشابہات کی طرف ارادتاً دوڑنا ایک ادنیٰ کھیل ہوتا ہے۔ اگر حضرت میاں صاحب آج کے تجربہ کے ہوتے۔ تو وہ وہی کرتے۔ جو اس وقت من وجہ کر رہے ہیں۔ ایک تو آپ اس وقت تکفیر مسلمین پر زور نہیں دیتے۔ دوسری طرف اب کہتے ہیں کہ میرا عقیدہ وہی ہے۔ جو لاہوری جماعت میں سے بعض کا ہے۔ اور کہتے ہیں کہ لاہوریوں نے ان پر یہ الزام لگا دیا ہے۔ بہر حال جو کچھ بھی ہو۔ میں حضرت میاں صاحب کے موجودہ طریق کو ایک قدم مبارک سمجھتا ہوں

اہل اسلام یا احمدی جماعت کو چھوڑ میاں صاحب اپنی ذات پر احسان کریں گے ۔ اگر وہ جرات سے کام لیں ۔ اور اس بات کو لکھدیں جس پر وہ آج بظاہر متامل معلوم ہوتے ہیں ۔ جماعتیں بننے والی بن گئیں ۔ نبوت و تکفیر اہل کلمہ کے متعلق صاف صاف لکھدیا جائے ۔ تو ان کی سیادت میں فرق تو نہیں آسکتا لیکن جماعت میں وہ طاقت وشوکت پیدا ہو سکتی ہے جس کی وہ مستحق ہے ۔

بہر حال ۱۹۱۵ء میں یہ کٹھن مرحلہ معماران نبوت جدیدہ کے سامنے آگیا ۔ ایک طرف تو اہیں نبوت مرزا کو قائم کرنا تھا ۔ اور دوسری طرف حضرت مرزا صاحب کو قطعًا انکار تھا ۔ اور چو نظاہر چند مفید مطلب سطور سے ملتی بھی ہیں ۔ ان کے مقابل حضرت صاحب کا ۲۳ سالہ ایک لبیط لٹریچر موجود تھا جس میں کھلے طور پر حضرت کا نبوت سے انکار تھا ۔ اس مشکل کا حل دو ہی طریق سے ہو سکتا تھا ۔ یا تو یہ اعلان کیا جائے ۔ کہ مرزا صاحب نے حکمت عملی سے اپنے عقیدہ کو ایک مدت تک چھپایا ۔ اور اس بات کے منتظر رہے کہ جب جماعت کسی قدر مضبوط ہو جائے ۔ تو اس وقت اپنی نبوت کو ظاہر کیا جائے

دوسری تشریح یہ ہو سکتی تھی ۔ کہ ۱۹۰۲ء یا ۱۹۰۳ء تک مرزا صاحب اپنے دعوے کی حقیقت کو نہیں سمجھے ۔ اور آپ کو بعد میں سمجھ آئی اب یہ دونوں تشریحیں خطرہ سے خالی نہ تھیں ۔ امر اول ایک نہایت ہی خطرناک قسم کا پہلو اخلاقًا اپنے اندر رکھتا تھا لیکن جہاں بھی پرانے ٹائپ کے مولوی ہوں گے ۔ وہ ان باتوں کی کپ پرہ اکریں گے ۔ اگست ۱۹۱۵ء میں ہمیں ایبٹ آباد میں یہ اطلاع ملی ۔ کہ قادیان سے عنقریب ایسا اشتہار نکلنے والا ہے ۔ جس میں یہ لکھا جائیگا کہ جماعت کی کمزوری کو دیکھکر حضرت صاحب نے اپنے اصلی عقیدہ کو چھپایا ۔ اور جب جماعت مضبوط ہو گئی ۔ تو ۱۹۰۳ء میں اصل دعوے کو پیش کیا ہمیں اپنے بھائیوں سے عقائد میں لاکھ مخالفت ہو ۔ لیکن یہ کب ہو سکتا تھا ۔ کہ ہم قادیان سے ایک ایسی بات نکلتی ہوئی دیکھیں جس سے ایک خطرناک بیجا حملہ حضرت کی ذات پر ہو ۔ چنانچہ فی الفور قادیان کو لکھا گیا کہ اگر آپ کی یہ رائے ہے ۔ تو مرزا صاحب ایک نہایت خطرناک چالباز انسان ثابت ہوتے ہیں ۔ خدا کا احسان ہے ۔ کہ اس اشارہ پر غالبًا خود حضرت میاں صاحب نے غور کیا ۔ اور انہوں نے فی الفور مصلحت کو روک دیا ۔ اس حالت میں دوسری تشریح کے اختیار کرنے کے سوا کوئی اور راستہ نہ تھا ۔ ان دنوں شملہ میں احمدیوں کی ایسی

بحث ہو رہی تھی۔ مریدین میاں صاحب نے شملہ میں اس بات کا اعلان کیا۔ کہ ۲۳ برس تک حضرت صاحب نے اپنی نبوت کی حقیقت کو سمجھا ہی نہیں۔ جب یہ سمجھ آئی۔ تو آپ نے اشتہار مذکورہ بالا میں کہا۔ مرزا صاحب تو اشتہار "ایک غلطی کا ازالہ" میں لوگوں کی غلطی کا ازالہ کر رہے تھے لیکن ان دوستوں نے یہ کہنا شروع کیا کہ اس اشتہار کے ذریعہ حضرت نے اپنی ایک غلطی کا ازالہ کیا ہے۔ اور وہ یہ غلطی تھی۔ کہ آپ تو حقیقی نبی تھے لیکن اس وقت تک اپنے آپ کو نبی غیر حقیقی سمجھتے رہے۔ اور اب اس غلطی کا ازالہ فرماتے ہیں۔ اس کے جواب میں ہم نے حکیم محمد حسین صاحب (مرہم عیسےٰ) کو جو لاہوریوں کی طرف سے مناظر تھے۔ یہ کہلا بھیجا۔ کہ وہ حضرت کی کتاب "اعجاز المسیح" کو فریق ثانی کے مقابل پیش کریں اسمیں غالباً حضرت لکھتے ہیں کہ نبی بلکہ نبوت کو پیدائیشاً اپنے ساتھ لاتے ہیں۔ اس لئے اپنے دعوے کے سمجھنے میں غلطی نہیں کرتے اور حضرت نے کوئی غلطی نہیں کی۔ اس کے جواب میں بحالت مجبوری فریق ثانی نے معاذاللہ وہ خطرناک حملہ آنحضرت صلعم کی ذات پر کیا جو بالفاظ حکیم نورالدین صاحب مرحوم بدذات پادری آپؐ کی ذات پر کرتے ہیں۔ یہ وجال کا یہ گروہ کہا کرتا ہے۔ کہ محمدؐ عربی نے تین سال تک اپنی نبوت کو نہیں سمجھا۔ چنانچہ شملہ میں بھی جواب دیا گیا اور کہا گیا کہ جس طرح محمدؐ عربی نے تین سال تک اپنی نبوت کو نہیں سمجھا۔ اسی طرح مرزا غلام احمد صاحب نے ۲۳ برس تک اپنے دعوے نبوت کو نہیں سمجھا۔ اور ۱۹۰۳ء میں انہیں اپنے حقیقی دعوے کی سمجھ آئی۔ جس پر انہوں نے اپنا عقیدہ بدلا۔ الغرض ۱۹۱۵ء کے اخیر میں احمدی جماعت کے اندر ایک نئی بحث شروع ہو گئی۔ کہ آیا مرزا صاحب نے اپنا عقیدہ بدلا یا نہیں بدلا لیکن میں نے اوپر لکھا ہے۔ اس "ایک غلطی کا ازالہ" والے اشتہار کی تاریخ کے بعد کی ایک اور تحریر حضرت صاحب کی ایسی نکل آئی جس میں حضرت نے انکار نبوت کیا ہوا تھا۔ اور وہ مشہور کردہ تاریخ تبدیلی عقائد کے بعد کا تھا۔ اس لئے مذکورہ معماران نبوت میں سے ایک مولوی صاحب کو قسم کھانی پڑی۔ انہوں نے واللہ باللہ تاللہ کہکر کہہ دیا۔ کہ یہ کتاب گو بعد میں چھپی ہے لیکن تاریخ تبدیلی عقیدہ سے پہلے کی تصنیف ہو چکی تھی۔ مذہب بازیچہ طفلاں ہو گیا۔

یہ ساری کی ساری باتیں خاک میں مل جاتی ہیں۔ جب ان سب کے مقابل ۱۹۰۵ء میں ایک طرف تو حضرت کی وصیت نکلتی ہے۔ کہ سید الکونین حضرت محمد مصطفےٰ صلعم کے بعد کسی نبی کا آنا خواہ وہ

پرانا ہو یا بنا ختم نبوت کی اہانت کرتا ہے۔ اور دوسری طرف حقیقۃ الوحی کا ملحقہ استفتا صاف ظاہر کرتا ہے کہ مرزا صاحب کا دعوئے نبوت مجاز کے طور پر تھا۔ اور حقیقی نہ تھا۔ اور جیسا کہ میں نے پہلے لکھا آپ کے دعوئے کی بنیاد حضرت محمد صلعم کی ایک حدیث تھی کہ لم یبقی من النبوت الا المبشرات ان باتوں کے ہوتے ہوئے کون کہہ سکتا ہے کہ حضرت مرزا صاحب نے اپنے عقیدہ کو بدلا اور تیئیس برس کے بعد آپ کو سمجھ آئی کہ آپ حقیقی نبی تھے۔ مگر آپ اپنے آپ کو ۲۳ سال تک ایک ظلی نبی ہی سمجھتے رہے اور غلطی میں پڑے رہے۔ مگر آپ نے تو اپنی ظلی نبوت کی تشریح میں اپنا ایک الہام بھی پیش کیا۔ "لک خطاب العزۃ" یعنی تجھے جو (خدا) نے نبی کہا ہے۔ وہ ایک اعزازی خطاب ہے حقیقی نہیں۔ جن کو گورنمنٹ اعزازاً آج بھی خان بہادر رائے بہادر راجہ یا نواب کا خطاب دیتی ہے۔ وہ تو حقیقی طور پر ان اعزازات کے حقیقی وجوہ اپنے اندر نہیں رکھتے۔ خدا تو علی العموم انسان کے ساتھ انسانی محاورے میں بولتا ہے جس کی طرف "الا بلسانہ" کے الفاظ قرآن اشارہ کرتے ہیں۔ اس الہام کا سمجھنا بھی صاف تھا یعنی نبی کا خطاب بطور اعزاز عطا ہوا ہے۔ یہ اسماً نہیں بلکہ بقول حضرت غوث الاعظم رحمۃ اللہ لقباً ہے۔ ایک سیدھی بات پر اس قدر زور و شور کرنا اور اس پر قوم کے پندرہ سالوں کو ضائع کر دینا ظاہر کرتا ہے۔ کہ ہم مسلمان کہاں تک کامیابی کی راہوں سے دور چلے گئے ہیں۔ بات تو صرف اسی قدر تھی۔ کہ مکالمہ مخاطبہ الہیہ کے وجود سے دنیا منکر ہو چکی تھی حالانکہ اسی کا وجود نہ صرف مذہب کو ہی دنیا میں قائم رکھ سکتا تھا بلکہ خدا کے وجود کا بھی یہی ایک ثبوت تھا۔ اگر یہ دنیا میں موجود نہ ہو۔ تو پھر ایک دن مذہب کو بھی جواب ہو سکتا ہے۔ یہ باتیں میں نظری رنگ میں نہیں لکھتا۔ واقعات عالم کو دیکھ لو۔ کیا کر رہے ہیں۔ میں نے اس کتاب میں کہیں لکھا ہے کہ کس طرح دنیا کا ایمان آہستہ آہستہ وحی الہیہ کے متعلق کمزور ہوتا گیا۔ اور پانچویں منزل پر آج مذہب سے ہی انکار ہو گیا۔ ان میں سے تین منازل تو میں نے اپنی آنکھ سے دیکھے۔ اول یہ کہ وحی متلو نہیں ہوتا۔ دوسرا یہ کہ جنہیں الہام کہتے ہیں۔ وہ خدا کی طرف سے نہیں۔ وہ نیک بندوں نے مذہباً تجویز کئے۔ تیسرے یہ کہ مذہب کی ہی کوئی ضرورت نہیں۔ اب اگر مذہب کے قیام کی ضرورت ہے۔ تو وہ تو تجربہ کہتا ہے کہ مکالمہ الہیہ کے امکان کو پہلے ثابت کرو۔ پھر دنیا میں الہامی مذہب قائم رہ سکتا ہے۔ خدا کا لاکھ لاکھ احسان ہے۔ کہ آج سائنس نے

خدا کا وجود تسلیم کر لیا ہے۔ اور جیسے کہ میں نے ایک اور جگہ لکھا اُس خدا کو قبول کیا جس کے خط و خال اسماء حسنہ مندرجہ قرآن میں پائے جاتے ہیں۔ ہاں قرآن ہی کہتا ہے کہ خدا بولا کرتا ہے۔ اسے ہمارا زمانہ ماننے کو تیار نہیں لیکن اہل زمانہ اتنے بیوقوف نہیں کہ ایک متدین شخص مکالمہ الہیہ کا مدعی ہو۔ اس کے ثبوت میں وہ سینکڑوں باتیں برنگ پیشینگوئی پیش کرے۔ اپنی شہادت میں سینکڑوں متدین معتبر اور معزز انسان بطور گواہ پیش کرے۔ پھر بیاں کی ضدی طبیعتیں انہیں مانیں یا نہ مانیں۔ مغرب اسے ماننے کو تیار ہے ہمیں نہ کسی کتاب کی ضرورت ہے۔ نہ کسی نبوت جدیدہ کی حاجت ہے۔ قرآن کریم نے اور اسوۂ نبی پاک نے ہماری ضروریات کو علیٰ وجہ اتم پورا کر دیا ہے ہمیں صرف مکالمے کے امکان کو ثابت کرنا ہے جس کا ثبوت کافی طور پر مبشرات سے ہی ہو سکتا ہے۔ اسی کا وعدہ حضرت خاتم النبیین نے ہمیں دیا۔ کہ یہ نعمت آپؐ کی امت میں جاری رہے گی۔ اسی بات کے مدعی حضرت مرزا صاحب تھے۔ اسی کے ثبوت میں ایک طرف انہوں نے بار بار پیشینگوئیاں شائع کیں۔ دوسری طرف ایسے لوگ بطور گواہ پیش کیے۔ جو دنیا کے ہر معاملہ میں شاہد عادل کے طور پر قبول کئے جا سکتے ہیں۔ چونکہ مبشرات اصطلاح اسلامی تھی۔ اور غیر اسلامی دنیا اس سے ناواقف تھی۔ وہ صرف ایک لفظ نبوت کو جانتے تھے۔ اور کس کو اس سے انکار ہو سکتا ہے کہ نبوت کے لغوی معنے مکالمہ الہیہ ہیں۔ اس ضرورت حقہ کے دفعیہ کیلئے اور غیر مسلموں کو اپنا مفہوم سمجھانے کے لئے حضرت مرزا صاحب نے لفظ نبی استعمال کیا۔ اور بقول حضرت مرزا صاحب ان الفاظ سے اگر مکالمہ مخاطبہ الہیہ کے سوا کسی کا اور ارادہ ہو یا اس سے زیادہ کسی کا دعوےٰ ہو۔ تو اس پر خدا کی لعنت ہو

لیکن افسوس تو جماعت کے طرز عمل پر ہے۔ ایک طرف خواب بینوں کی جماعت پیدا ہو گئی جنہوں نے اس نعمت کو جو مبشرات کی ابتدائی شکل ہے۔ کچھ ایسا ذلیل کر دیا۔ کہ ہر ایک خواب بین نے آپ کو نبی اور مامور قرار دیا۔ حضرت محمد رسول اللہؐ کو ماسٹر نبی کہا۔ حضرت مرزا صاحب کو شاگرد نبی کہا۔ نہ معلوم یہ خواب بین کس درجہ پر نبی بنینگے۔

یاد رکھو ہمیں تمہاری خوابوں کی ضرورت نہیں۔ ہم نے دنیا میں ایک امر ثابت کرنا تھا۔

اس کو پورے طور سے حضرت صاحب ثابت کر گئے۔ تم ان کی راہوں کو قائم رکھو۔ اور انہیں پیش کرو۔ جو کہ انہوں نے پیش کیا تاکہ ضرورت وقت کوئی اور چیز ہوتی ہے لیکن ضرورت کو اس کا اہل ہی سمجھتا ہے

خواب بینوں کی اس جماعت کے مقابل چند اور لوگ اُٹھے جنہوں نے حضرت مرزا صاحب کی حیثیت کو ایک معمولی ریفارمر کی حیثیت دیدی۔ بلکہ جس وقت لفظ نبی کا کسی نے استعمال کیا ان کے جسم پر لرزہ اٹھا۔ پھر ذاتی خصومتوں اور رقابتوں نے ایک اور مصیبت پیدا کر دی۔ ہر ایک نے اپنے کام کو سراہنا شروع کیا۔ اور گول مول دبے الفاظ میں ایک دوسرے پر حملے کئے۔ پھر سب سے بدترین بات جو ہم میں پیدا ہو گئی ہے۔ کہ ہم اپنے آپ کو بڑا سمجھنے لگ گئے ہیں ہم میں Self-sufficiency کی روح پیدا ہو گئی ہے۔ ہم اپنے معائب کو سن نہیں سکتے۔ اور اپنی رائے کو آسمانی سمجھتے ہیں۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ط

نہ میں اصحاب قادیان پر نکتہ چینی کرتا ہوں۔ نہ میں لاہوری بھائیوں کی جنبہ داری کرتا ہوں۔ امور پیش آمدہ کے سوا یہاں میں نے پسند نہیں کیا کہ میں کسی اور امر پر کچھ لکھوں میں اس بات کو علی الاعلان کہہ کر ہم نے باہمی تنازعات میں عمر کا ایک خاص حصہ ضائع کیا۔ یہ تسلیم کرنے کو تیار ہوں کہ ہم میں سے ہر ایک نے امور دیگرہ میں جو کچھ کیا نیک نیتی سے کیا۔ اپنی طرف سے کوشش بھی کی لیکن اگر کسی کو علم نہ ہو تو میں اسے اطلاع دیتا ہوں۔ کہ ہندوستان سے باہر عربی بولنے والی دنیا آج احمدی جماعت کی حیثیت کو ایک جاسوس جماعت کی حیثیت سمجھتی ہے۔ جو گورنمنٹ کی خدمت کے لئے پیدا ہوئی ہے۔ دوسری طرف ہندوستان میں ہماری حیثیت مخدوش ہو چکی ہے ہمارے اکثر امور قابل توجہ نہیں سمجھے جاتے ہیں تو اس کے اسباب کو سمجھتا ہوں۔ انہیں میں نے ان اوراق میں ایک حد تک بیان کر دیا ہے لیکن تم میری باتوں کی پرواہ نہ کرو۔ تمہارا فرض ہے کہ تم خود ہی آپ سوچ کر ان امور کے دفعیہ کا فکر کرو۔ حیرت کا مقام ہے کہ آخری ایام میں حضرت صاحب نے عربی زبان میں کتابیں لکھیں اور یکے بعد دیگرے لکھیں۔ ہم میں سے سلطان القلم کا وارث تو اس رنگ میں آج کوئی نظر نہیں آتا لیکن کیا ان کی تصنیفات کو ممالک غیر میں پہنچانا ہمارا فرض نہیں۔ خدا کے لئے غور کرو۔

خلاصہ یہ ہے کہ جماعت کی آج وہ عزت نہیں ہی جو پہلے تھی پھر تم سب سوچو کہ تم کیا کرتے رہے ہے۔

۱۹۰۷ء میں آپ کا مستقلہ نبوّت سے انکار

اور

ظلّی نبوّت کو تسلیم کرنا

بالفرض اگر ۱۹۰۳ء میں آپ نے عقیدہ بدلا - اور ظلّی یا مجازی نبوت کو چھوڑا تو آپ نے ۱۹۰۷ء میں استفتاء کے صفحہ ۶۴ پر ذیل کے الفاظ کیوں لکھے -

ان النبوة قد انقطعت بعد نبیّنا صلی اللہ علیہ وسلم ولا کتاب بعد الفرقان الذی ھو خیر الصحف السابقة ولا شریعة بعد الشریعة المحمدیّة بید انی سمیت نبیًّا علی لسان خیر البریة - وذلك امر ظلّی من برکات المتابعة وما اری فی نفسی خیرًا - و وجدت کلّما وجدت من ھٰذہ النفس المقدّسة وما عنی اللہ من نبوتی الا کثرة المکالمة والمخاطبة ولعنة اللہ علی من اراد فوق ذالك او حسب نفسه شیئًا - او اخرج عنقه من الربقة النبویّة - وانّ رسولنا خاتم النبیین و علیه انقطعت سلسلة المرسلین فلیس حقّ احدٍ انّ یدّعی النّبوۃ بعد رسولنا المصطفٰی

علے الطریقۃ المستقلۃ ۔ وما بقی بعدہ الا کثرۃ المکالمۃ

ترجمہ ۔ تحقیق نبوت ہمارے نبی صلعم پر قطع ہوگئی ۔ اور قرآن کے بعد جو قدیمی کتب سے بہتر ہے ۔ کوئی کتاب نہیں ۔ اور شریعت محمدیہ کے بعد کوئی شریعت نہیں ۔ میرا نام خیر البشر نے نبی رکھا ہے لیکن یہ ایک ظلی بات ہے ۔ جو آپؐ کی پیروی کی برکات میں سے ہے ۔ مجھ میں کوئی خوبی نہیں ۔ اور جو کچھ میں نے پایا ۔ اس نفسِ مقدس کی طفیل پایا ۔ میری نبوت سے مراد کثرت مکالمہ و مخاطبہ ہے ۔ اور اللہ کی لعنت اس پر ہو ۔ جو اس سے زیادہ کرے ۔ یا اپنے نفس کو کچھ سمجھے ۔ یا اطاعت نبوی سے گردن نکالے ۔ اور تحقیق ہمارے رسول خاتم النبیینؐ ہیں ۔ اور اُن پر مرسلین کا سلسلہ ختم ہوچکا ہے ۔ اور کسی کو حق نہیں پہنچتا ۔ کہ ہمارے رسول مصطفےٰؐ کے بعد نبوت مستقلہ کا دعوےٰ کرے ۔ اور آپؐ کے بعد کثرت مکالمہ کے سوا کوئی چیز باقی نہیں رہی وہ بھی آپؐ کی اطاعت سے میرا نام نبی بطریق مجاز رکھا گیا ہے ۔ نہ کہ حقیقی طور پر ۔

پھر اسی قسم کی باتیں آپ نے استفتاء کے صفحہ ۶ پر لکھیں ۔ بلکہ حقیقت الوحی کے صفحہ ۳۹۰ پر آپ نے لکھا ہے ۔ کہ میرے مخالف ۔ لوگوں کو بھڑکانے کیلئے کہتے ہیں ۔ کہ اس شخص نے نبوت کا دعوےٰ کیا ۔ یہ مجھ پر افترا ہے ۔ میں نے کوئی ایسا دعویٰ نہیں کیا جس کی مخالفت قرآن نے کی ہو ۔ آپ کا سنہ ۱۹۰۷ء میں حقیقت الوحی کے ساتھ امور بالا کا شائع کرنا اس بات کا قطعی ثبوت ہے ۔ کہ آپ نے کبھی مستقلہ یا حقیقی نبوت کا دعوےٰ نہیں کیا ۔ آپ صرف کثرت مکالمۂ الٰہیہ کے مدعی تھے ۔ اور مکالمۂ الٰہیہ سے تو آپ سے پہلے کسی نے کبھی انکار نہیں کیا ۔ اور اگر اسی کا نام نبی ہے ۔ تو یہ بات تو شروع سے کہتے چلے آئے ۔ انھیں عقیدہ کے بدلنے کی کیا ضرورت تھی ۔ الغرض شروع سے آخر تک آپ کا دعوےٰ ایک ہی رہا ۔ جس کی تشریح آپ نے اپنی کتاب سراج منیر میں فرمادی ۔ جسے میں نے بالفاظہٖ نقل کردیا ہے ۔ جب آپ کوئی

شریعت نہیں لائے ۔ اور شریعت لانے والے نبی کے انکار سے کُفر لازم آتا ہے جیسے آپ نے تریاق القلوب میں لکھا ہے۔ اور آپ کے دعوے کا منکر کافر نہیں ہوسکتا ۔ یہ آپ نے ضرور لکھا ۔ کہ مکذّب مکفّر اور متردد سب برابر ہیں بُعیلمی نے اس کے کچھ کے کچھ معنے کرا دیئے ۔ آپ کی منشاء تو اسی قدر ہے۔ کہ جو آپ کو کافر یا جھوٹا جانے یا آپ کے کافر یا جھوٹا ہونے میں مُتردد ہو ۔ وہ ویسا ہی ہے لیکن ایک شخص یہ نہیں کہتا ۔ کہ آپ نے ارادتاً دعوے کرنے میں جھوٹ بولا۔ بلکہ وہ یہ کہتا ہے ۔ کہ یا تو خُود مرزا صاحب کو دعوے کرنے میں غلطی لگ گئی ہے۔ یا آپ کا دعوے اسے سمجھ نہیں آتا ۔ وہ تو آپ کی تکذیب یا تکفیر میں متردد نہیں ہے رہا آپ کا لقب مسیح پانا۔ سو آپ نے ذیل کے دو اشعار میں کیا لطیفہ فرما دی ہے

کیا شک ہے ماننے میں تمہیں اس مسیح کے   جس کی مماثلت کو خدا نے بتا دیا
حاذق طبیب پاتے ہیں تم سے یہی لقب   خُوبوں کو بھی تو تم نے مسیحا بنا دیا

مقصد یہ ہے ۔ کہ تم حکیموں طبیبوں اور معشوقوں تک کو مجازی رنگ میں مسیح کہا کرتے ہو ۔ اسی مجاز کے طریق پر مُجھے مسیح کہا گیا ہے ۔ چنانچہ آپ نے خطبۂ الہامیّہ میں اپنے آپ کو جناب مسیح علیہ السلام کا مظہر قرار دیا ہے جب ہر انسان تو خُود بالقوے مظہر خدا وند ہوتا ہے پھر کسی کا نبی کا مظہر ہوتا کہنا تک غلط ہے ۔ آپ نے اُسی خطبہ میں فرمایا کہ محمدؐ عربی نبی ہیں ۔ اور میں ولی ہوں ۔

مَیں لکھ چکا ہوں ۔ کہ جب تک اس صدی کا مجدد نبی نہ کہلاتا۔ تب تک غیر مسلم مخالفین نبوت کے کان کھڑے نہ ہوتے ۔ وہ حقیقت نبوت سے ہی منکر ہو چکے تھے ۔ اور مکالمۂ الہیہ سے ہی انکاری تھے ۔ اس اعلان سے تو غرض اسی قدر تھی کہ لوگوں کو اگر کسی انسان کے ساتھ خدا کے ہمکلام ہونے میں شک ہے۔ تو اسکے الہام اور اسکے دوسرے حالات لوگوں کو سمجھا دینگے ۔ کہ خدا انسان سے بولا کرتا ہے ۔ اور خدا ایسے انسان کو اس قسم کی قدوسیت نفس

عطا کرتا ہے کہ اسکے ملنے والے بھی ایک حد تک مکالمۂ الٰہیہ سے مشرف ہو جاتے ہیں اس طرح مکالمہ الٰہیہ کا معاملہ متحقق ہو کر نبوت کاملہ پر مہر صداقت لگا دیتا ہے۔ پیش ازیں کہ میں دیگر فرائض محبّی دینت پر بحث کروں۔ میں خدا تعالیٰ کو حاضر و ناظر جانکر یہاں شہادت دیتا ہوں۔ کہ جب کبھی میں قادیان میں گیا میں نے آئے دن حضرت کے الہاموں کو سُنا۔ بسا اوقات جو آپنے کسی کو لکھا وہ دوسرے دن پورا ہو گیا حالانکہ اس واقعہ کے کوئی قرائن موجود نہ ہوتے تھے میں اس امر کی بھی حلفیہ شہادت دیتا ہوں۔ کہ بعض حضرت سے ملنے والے بھی ایک حد تک اس نعمت سے بہرہ اندوز ہوئے۔ یہی وہ رنگ تھا۔ کہ جس نے اس جماعت کو کُل دنیوی امور چھوڑ کر اشاعت اسلام کی طرف مائل کر دیا۔ لیکن جماعت کی افراط و تفریط نے خدا کی اس نعمت کو ہم میں کمزور کر دیا۔ جو ایک حد تک ہو گیا لیکن اس امر کے باوجود بھی میں کُل عالم اسلام میں صرف احمدی جماعت کو ہی پاتا ہوں جنہیں اشاعت اسلام کی تڑپ ہے جن میں یہی رنگ موجود ہے۔ جو قرآن کو پڑھتے ہیں۔ اور اسکے معارف سے دنیا کو بہرہ اندوز کرتے ہیں جن کا اوڑھنا بچھونا مذہب ہی مذہب ہو چکا ہے اور جنہیں اہل کشف اور خدا سے مکالمہ الٰہیہ کا شرف رکھنے والے اصحاب ہیں مجھے اس سے بھی انکار نہیں۔ کہ ان امور کے پانیوالے دوسری جگہ بھی موجود ہونگے۔

نبوت تو آنحضرت صلعم پر ختم ہو چکی۔ اور حضرت مرزا صاحب کے قول کے مطابق حضرت محمد عربی کے بعد جو بھی مدعی نبوت ہے وہ دائرہ اسلام سے خارج ہے۔ ہاں مرزا صاحب نے جس نبوت کا دعویٰ کیا ہے وہ نبوت کی ایک جزو ہے وہ مرزا صاحب چھوڑ۔ مستعداد ہر کلمہ گو کو حاصل ہے۔ اگر وہ نہو۔ تو پھر مذہب کی حقیقت ہی سمجھ نہیں ہے نہ یہ سمجھ آتی ہے کہ کوئی خدا ہے۔ مرزا صاحب نے جو کچھ کیا ہے وہ اس صدی کے مجدد کے فرائض میں سے تھا۔ جو کوئی چودھویں صدی کا مجدد مبعوث ہوتا اس کا فرض تھا۔ کہ وہ مکالمۂ الٰہیہ کے انکار کو دنیا سے مٹائے۔ اور یہ ہو سکتا تھا۔ جبتک کہ خود مجدد۔ مدعی مکالمہ الٰہیہ ہو۔ چونکہ غیر مسلم دنیا صرف لفظ نبی سے واقف ہے۔ اور دیگر اصطلاحات اسلامی (محدثیت وغیرہ) سے بالکل ناواقف تھی۔ اسلئے یہ ضروری تھا۔ کہ وہ لفظ نبی کو تو استعمال کرے۔ لیکن ساتھ ہی اسکی تشریح کر دے۔ کہ میرا دعوے حقیقی نبوت کا نہیں۔ یہ لغوی معنوں میں ہے جس سے مُراد خدا سے ہمکلام ہونا ہے۔ ورنہ نبوت کاملہ ختم ہو چکی +

الغرض اس زمانہ کو اس بات کے تسلیم کرنے کی ضرورت تھی۔ کہ خدا تعالیٰ انسان سے ہمکلام ہو سکتا ہے۔ اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیئے۔ کہ خدا کا کلام جو ایک ولی سے ہو۔ یہ اس پایہ کا کلام ہے۔ جو ایک نبی سے ہوتا ہے۔ یا بہ الفاظ دیگر الہام ولی کو الہام قرآن سے کوئی نسبت نہیں۔ اس سے دھوکا نہیں کھانا چاہیئے۔ کہ بولنے والا تو ایک ہی ہے۔ ایک حاکم وقت اپنی زبان سے اپنے چپڑاسی سے گفتگو کرتا ہے۔ اُسی زبان کے ساتھ اہلِ عملہ سے گفتگو کرتا ہے۔ اور اُسی زبان سے وہ اپنے سرشتہ دار سے گفتگو کرتا ہے۔ اب اگر حاکم کے یہ تین قسم کے کلام بدارج حیثیت میں ایکدوسرے سے جدا جدا ہیں تو کیوں الہام نبی یا الہام ولی میں فرق نہ سمجھا جائے۔ اس فرق کے قائل یا اس پر عامل خود حضرت مرزا صاحب تھے۔ اس وقت تو دعائے قنوت وتروں کی ایک رسمی عادت گئی ہے۔ لیکن حدیث میں وارد ہے۔ کہ مصائب کے وقت آنحضرت صلعم اور آپ کے صحابہ ہر رکعت تمام میں الفاظِ ماثورہ کے سوا مختلف دعائیں مانگا کرتے تھے۔ صلحاء کا بھی یہی طریق رہا ہے۔ ایکدن حضرت مرزا صاحب کے ایک مرید نے دریافت کیا۔ کہ آیا سجدہ میں ہم ایسی دعائیں پڑھ سکتے ہیں یا نہیں۔ جو قرآن کریم میں موجود ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ اور میں ہاں موجود تھا۔ کہ ہرگز نہیں۔ قرآن کریم کی شان میں مرفوع آیا ہے۔ یعنی یہ بلند چیز ہے۔ انسان سجدہ کے وقت سخت تذلّل میں ہوتا ہے۔ ادنے سے ادنے حالت کو اختیار کرتا ہے میں بےادبی سمجھتا ہوں۔ کہ قرآن کریم کے الفاظ ایسی حالت میں پڑھے جائیں۔ البتہ قیام و قعود میں کوئی مضائقہ نہیں۔ سائل نے اُسی وقت دریافت کیا۔ کہ آپ کے اپنے الہاموں میں بعض دعائیں ہیں۔ مثلاً ربِّ کُلُّ شیءٍ خادمك۔ ربِّ فاحفظنی وانصرنی وارحمنی۔ آپ نے فرمایا۔ کہ اس کو سجدہ میں پڑھنے کا کوئی حرج نہیں۔ یہ قرآن کریم کے الفاظ نہیں۔ یہ تو ایک موٹی سی بات ہے کلام کلام میں فرق ہوتا ہے لیکن اگر کسی کو کوئی وہم ہو تو یہ حضرت مرزا صاحب کا اپنا فیصلہ ہے

الہام الٰہی خواہ ولی کو ہی کیوں نہ ہو۔ یہ ایک نہایت ہی رفیع الشان چیز ہے آخر خدا کا کلام ہے لیکن کیا یہ ضروری ہے۔ کہ خدا کا ہر کلام ایک ہی پایہ کا ہو۔ یہ تو آپکے الہام کے متعلق ہے۔ مرزا صاحب تو سیّدنا حضرت محمدؐ مصطفٰے صلعم کے احکام الفاظ کو اپنے الہام پر عملاً ترجیح دیا کرتے تھے۔ ایک عید کے موقعہ پر جب ہم لاہور سے حسب معمول ایک دن پہلے قادیان پہنچے۔ تو رات کو مطلع صاف نہ تھا کسی کو قادیان میں چاند نظر نہ آیا۔ صبح کی نماز کے لئے جب ہم مسجد میں جمع ہوئے تو وضوں کے بعد حسب عادت جناب مرزا صاحب مسجد میں بیٹھ گئے۔ اس وقت علی العموم حضرت صاحب اپنا کوئی خواب یا رویا سُنایا کرتے تھے اگر کوئی شب گذشتہ میں اُنہیں ہُوا ہو۔ آپنے دریافت کیا۔ کہ کسی نے چاند دیکھا۔ جواب نفی میں تھا۔ جس پر آپ نے فرمایا کہ رات مجھے الہام ہوا ہے۔ کہ "عید تو آج ہے کرو یا نہ کرو"۔ اس پر جب مریدین نے دریافت کیا۔ کہ ہم روزوں کو توڑ دیں۔ تو آپ نے فرمایا۔ نہیں روزہ رکھو شریعت کا حکم ظاہر پر ہے۔ روزہ کا رکھنا یا نہ رکھنا چاند کی رویت پر منحصر ہے نہ کسی الہام پر اسلئے میرے الہام کی بناء پر روزہ توڑنا صحیح نہیں۔ ہم سب نے روزہ رکھا۔ کوئی دس بجے کے قریب بعض احباب لاہور سے چاند دیکھ کر آئے۔ اُن کی شہادت پر روزے توڑنے کا آپنے حکم فرمایا۔ اب یہ واقعہ ایک فیصلہ کن واقعہ ہے۔ ایک طرف تو آپ کے ساتھ خدا کا ہمکلام ہونا ثابت ہوتا ہے۔ دوسری طرف شریعت کے مقابل آپ کا اپنے الہام پر عمل نہ کرنا۔ اُس نے صاف ظاہر کر دیا۔ کہ آپ کے نزدیک تو آنحضرت صلعم کے الفاظ آپکے الہام پر ترجیح رکھتے تھے۔ چہ جائیکہ قرآن کے الفاظ کا مقابلہ ہو +

حضرت مرزا صاحب کی نگاہ میں تو صحابہ کرام کی عزت اپنے سے زیادہ تھی۔ یہ واقعہ بھی میرے سامنے کا ہی۔ کہ ایکدن جب حسب معمول نماز صبح کے وقت ہم لوگ آپ کی خدمت میں بیٹھے تھے۔ تو مولوی بُرہان الدین صاحب مرحوم جہلمی نے عرض کی۔ کہ ہم درود شریف پڑھتے

ہوئے آپ کا کسی مقام پر ذکر کریں۔ ان کا مقصد یہ تھا۔ کہ جب ہم لوگ درود کے وقت اللھم صل علی محمد کہتے ہیں۔ اور اس کے بعد آل یا اصحاب کا ذکر کرتے ہیں۔ تو مرزا صاحب کا نام کس مقام پر رکھیں۔ وہ دن بھی دیکھنے کا دن تھا۔ اس سوال پر حضرت صاحب جوش میں آ گئے۔ منٹ بہ منٹ آپ کی آواز میں زور آتا گیا۔ کوئی ایک گھنٹہ کے قریب آپ نے اصحاب کرام کی تعریف کی۔ سیدنا ابوبکر و دیگر اصحاب میں سے بعض کا ہمواره ذکر کیا۔ اُن کے محامد بیان کئے۔ اُن کی خدمات عالی کو گنا۔ اور بعد میں فرمایا۔ کہ وہ تو خدمات مُسلّمہ کر چکے۔ خدا تعالیٰ نے اپنی رضاء کا سرٹیفکیٹ اُن کو دیدیا۔ اور ہمارا تو ابھی دعوےٰ ہی دعوےٰ ہے۔ ہم نے تو ابھی خدمات ہی کرنی ہیں۔ درود شریف میں میرا نام ڈالنے کی ضرورت نہیں ہے۔ لفظِ آل جو درود شریف میں آتا ہے۔ اور جس کے معنی اولاد اور ذریات کے ہیں۔ وہ ایک وسیع لفظ ہے۔ کُل اُمتی آپؐ کی آل و اولاد میں ہیں جسوقت آپ لوگ درود شریف میں وعلیٰ آلِ محمدؐ پڑھتے ہیں۔ اس وقت لفظ آل میں مجھے بھی شامل کر لیا کریں۔ آپ کی اس تقریر کو آج کا تکلف کسی تعبیر میں لے آئے لیکن ان واقعات سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ خود حضرت مرزا صاحب اپنے مقام کو جو خدا تعالیٰ کا دیا ہوا تھا آنحضرت صلعم یا دوسروں کے مقابل کس مقام پر رکھتے تھے +

اگر کوئی احمدی جوش محبت میں آکر مرزا صاحب کے متعلق یہ بھی کہہ دے۔ کہ

بعد از نبی بزرگ توئی قصہ مختصر

تو جوشِ محبت ہے ورنہ خود حضرت صاحب اپنے آپ کو صحابہؓ کے بعد ہی گنتے تھے۔ اور میں کہتا ہوں۔ کہ اگر حضرتِ مرزا صاحب کو سید الکونین صلعم کی کفش برداری بھی خدا کے ہاں سے مل جائے۔ تو میرے نزدیک وہ سید الاولیاء ہیں۔ نادانوں نے آنحضرت صلعم کی شان کو نہیں سمجھا۔ عقائد کو چھوڑ دیا جائے۔ خود اس قلب مطہر کو سامنے رکھا جائے جس پر قرآن کریم کی پُرحکمت تعلیم نازل ہوئی۔ اُن اخلاق قرآنی کا اندازہ کیا جائے جس سے

آپ کی ذات پاک مستحق تھی اور پھر کسی اور ولی کو سامنے رکھا جائے۔ تو زمین و آسمان کا فرق نظر آتا ہے۔ میرا یہ ایمان ہے۔ اور علی الاعلان کہتا ہوں۔ کہ تعلیماتِ قرآن کو سامنے رکھ کر جو کیفیت نبوت میرے ذہن میں آئی۔ اس کے معیار پر تو کوئی سابق نبی تک نہیں ٹکتا۔ اگر قرآن کریم انبیاء علیہم السلام کا ذکر نہ کر دیتا۔ تو انجیل توریت میں جو میں پڑھتا ہوں انھیں قرآن کے مقابل میں کبھی خدا کا کلام نہ سمجھتا۔ اور جن بزرگوں پر یہ کتابیں نازل ہوئیں ان میں سے جناب موسیٰ علیہ السلام کے سوا میں کسی کو نبی نہ سمجھتا۔ جناب موسیٰ البتہ جبل شان کے ہیں۔ توریت جیسی محرف کتاب کو بھی پڑھ کر وہ نبی نظر آتے ہیں۔ ان حالات میں اُمت کے کسی بزرگ کو نبئ کامل مان لینا ایک قسم کی جہالت ہے۔ جو علوم قرآن میں نازل ہوئے وہ بذاتِ خود نبوت کے سوال کو حل کر دیتے ہیں۔ حضرت مرزا صاحب قرآن کے بہترین شارح ہیں۔ ان لوگوں کو تو الہام ہی اسلئے نازل ہوتا ہے۔ کہ قرآن کے غوامض اور اور اسرار کو سمجھیں اور لوگوں کو سمجھائیں کتاب پاک کے بطون پر حاوی ہوں۔ اور حسب ضرورت ان ہی لوگوں کو آگاہ کریں۔ اگر خدا کے بولنے کا نام ہی نبوتِ کاملہ ہے۔ تو میں تو اپنے علم و تجربہ کی شہادت پر کہ دیتا۔ کہ مرزا صاحب نبی تھے۔ لیکن یہ تو لفظِ نبی کے لغوی و ابتدائی معنی ہیں۔ ورنہ حقیقتِ نبوت تو بڑی بلند چیز ہے۔ اور وہ مرزا صاحب کو کہاں نصیب ہے۔ ہاں چونکہ آپ کا ظہور ایک ایسے وقت ہوا۔ جب مکالمۂ الٰہیہ سے ہی دنیا کو انکار ہو گیا تھا۔ اور آپ کے دائرہ خطاب میں وہ غیر مسلم بھی شامل تھے۔ جو لفظِ نبی یا نبوت کے سوا کسی اور اصطلاح سے واقف بھی نہ تھے۔ اور جو خدا کے بولنے کے بھی قائل نہ تھے۔ اسلئے اللہ تعالےٰ نے ایسے خادم محمد کی بعثت کی۔ جس کے ساتھ وہ کثرت سے کلام کرتا رہا جب پر الہام بارش کی طرح اُترا۔ اور جس کو آخری طور پر یا اعزازی طور سے نبی بھی کہا گیا۔ ورنہ ایک نبئ کامل کی شان کہاں! اور حضرت مرزا صاحب کی شان کہاں +

آج بھی ہمیں اسی مصیبت کا سامنا ہے۔ آجکل کے علم و فضل نے مغرب میں ایسے

لوگ پیدا کر دیئے ہیں۔ جو قرآن کی تعلیم کے آگے اس کے پُر حکمت احکام کے سامنے سر جُھکا دیتے ہیں۔ اور اس تعلیم کو ایک بہترین تعلیم قرار دیتے ہیں۔ لیکن مطالبہ تو اسبات کا ہی کہ یہ خُدا کا کلام کس طرح سے ہے۔ یہ بھی تسلیم کرتے ہیں۔ کہ بعض امور میں کلام قرآن ایک فوق العادہ کلام ہے لیکن جب **خُدا بولتا ہی نہیں** تو اسے کلام اللہ کیسے قرار دیا جائے روایتیں تو علمی مناظرہ میں کوئی حیثیت نہیں رکھتیں۔ ضرورت اسبات کی ہی۔ کہ ہم خود ثبوت میں یہ کہنے کے قابل ہوں۔ کہ خُدا مسلمانوں میں سے بعض سے بولتا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ حضرت صاحب کا ایسا دعوئے اس موقعہ پر ایک وزنی حقیقت ہے لیکن چند سال چھوڑ ایک حد تک اب بھی حضرتِ مرزا صاحب کا معاملہ ایک امر تاریخ ہو گیا ہے۔ ضرورت تو اسبات کی ہی۔ کہ ہم میں سے والذین جاھدو فینا لنھدینھم سُبلنا کے مصداق پیدا ہوں۔ جو آج بھی کہ سکیں کہ خدا ہم سے بولتا ہے۔ اور وہ **صدّیقیّت کی کھڑکی جسمیں سے ہر الہام ہو کر گذرتا ہے** ۔ وہ آج بھی کُھلی ہی۔ کاش خُدا تعالےٰ مجھے اس نعمت سے بہرہ اندوز کرتا۔ میں خدا تعالےٰ کا شکر یہ ادا کرتا ہوں۔ کہ میں اس نعمت سے بہت تھوڑا سا آشنا ہو کر اس کے وجُود پر ایمان رکھتا ہوں لیکن مجھے وہ مقام حاصل نہیں کہ میں ایک مخالف کے سامنے یہ کہ سکوں۔ کہ خُدا تعالیٰ مجھ سے بولتا ہے نہیں ملہم ہوں لیکن یہ مقام نہیں جو ناممکن الحصُول ہو۔ یہ دروازہ آج بھی کُھلا ہے۔ ہاں اس کا راستہ پُر خار ہے۔ یہ ایک بلند صبر و استقامت کو چاہتا ہے۔ یہ اُس زہد و تقوےٰ و جہد و ریاضت کو چاہتا ہے جس کا عشر عشیر بھی ہمیں نصیب نہیں۔ خُود برگزیدہ کائنات علیہ السلام والصلوٰۃ کو ابتدائے نبُوت میں ہی تہجّد کا حکم ہوتا ہے۔ اس پر قائم ہونے کے لئے آپ کے ساتھ آپ کے صحابہ کو بھی حکم ہوتا ہے لیکن آج مُسلمانوں میں کتنے تہجّد گذار ہیں تہجد چھوڑ پانچوقتہ نماز پر بھی عامل نہیں۔ ہاں یہ ایک بدیہی امر ہے۔ کہ جس ذیشان انسان نے ہمارے زمانہ میں انگریزی خوان نوجوانوں سے رات کے وقت گرم بستر سے چھوڑ کر نوافل سحری پر

اُنہیں کھڑا کر دیا۔ جس نے اُنھیں نہجد پر قائم کیا۔ وہ اس زمانہ کا **مجدد** ہی تھا۔ مُجدّد نہ تو نبوت کاملہ لے کر آتا ہے۔ نہ معجزات وکرامت دکھلانے کیلئے مبعوث ہوتا ہے وہ تو مسلمانوں کو ازسرِ نو مسلمان بنانے آتا ہے۔ اُنھیں آنحضرت صلعم کے نقش قدم پر قائم کرنے کے لئے آتا ہے۔ اُنھیں غیور اور عامل مسلمان بنانے کیلئے بعثت پاتا ہے۔ اُن کی اُن دقتوں کو دُور کرتا ہے۔ جو قرآن وشریعت کے سمجھنے کے وقت اُن کی راہ میں پیدا ہو جائیں۔ جو مخالفانِ اسلام سے مقابلہ کرکے اسلامی صداقتوں کو مبرہن کر دیتا ہے۔ یہ وہ فرائض مُجدّد ہیں۔ جو لفظ **مجدد** کے لفظی معانی میں اور اس حدیث کے الفاظ میں موجود ہیں۔ جو آنحضرتؐ نے فرمائی۔

ان اللہ یبعث لھذہ الامۃ علی راس کل مائۃ من یجدد لھا دینھا۔

یعنے اللہ تعالیٰ صدی کے سرے پر ایک شخص کو مبعوث کرتا ہے۔ جو دین کی تجدید کردے وہ ایک مقدس سُنار ہے۔ جو زیور کو دھو دیتا ہے۔ اور زیور کی اصل چمک دمک کو قائم کر دیتا ہے۔ جو اُن نگاہوں کو روشن کر دیتا ہے جنہیں پانی (موتیا بند) اُتر نے نے اصل بصارت کو گنوا دیا ہے۔ وہ وہ روشنی دُنیا کو دیتا ہے۔ جو خود خُدا تعالیٰ نے اُسے عطا کی۔ یاد رہے کہ اس حدیث میں الفاظ ان اللہ یبعثؐ .... ہیں۔ اور صاف ہیں۔ بعثت مُجدّد کو خُدا تعالیٰ نے اپنی طرف منسوب کیا ہے۔ اور اس بعثت کے متعلق سُنت اللہ یہی ہے۔ کہ وہ مبعوث بزرگ خُدا سے الہام پائے۔ خدا تعالیٰ اُسے اطلاع دے۔ کہ اس حدیث کے ماتحت ہم تجھے مُجدّد کرتے ہیں۔ جیسے ہم حضرت امام غزالی علیہ الرحمۃ کی حالت میں پاتے ہیں۔ اور جس طرح انبیاء علیہم السلام دُنیا کو اپنی بعثت سے اطلاع دیتے ہیں اسی طرح یہ مُجدّد بھی دُنیا کو اپنی بعثت سے اطلاع دے۔ تا کہ مُسلمان اس کی آواز پر کان دھریں۔ اور اُس کے ساتھ شریک ہو کر اس کام کو سرانجام دیں۔ جس کیلئے وہ مبعوث ہوتا ہے۔ وہ صدیقین میں سے ہوتا ہے۔ اور قرآن مجید نے ہمیں حُکم دیا ہے۔ کہ کونو

مع الصادقین۔ تم صادقین کے ساتھ ہو جاؤ۔ اسلئے مسلمانوں پر لازم ہے کہ
وہ اپنے وقت کے صادق کے ہمراہ ہو جائیں۔ اور اس فوج خداوند کے رکن ہوں۔
جو اسلام کی حمایت و اشاعت میں ایک مجدد آکر قائم کرتا ہے۔ اگر حدیث نبوی میں لفظ
یبعث الہام الٰہی کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ تو لفظ یجدد بہ الفاظ بلند کہتا ہے کہ
مجدد کسی نئی شریعت یا نئے مذہب کا لانیوالا نہیں ہوتا۔ اگر مجدد کا صاحب الہام ہوتا
اس کے من وجہ نبی ہونے کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ تو لفظ یجدد اس کا بطلان کرتا ہے۔
اب سوال یہ ہے۔ کہ جب شارع اسلام ایک زندہ اور کامل نبی ہیں۔ اور آپ کا
کلام بھی آخری ہونے کے علاوہ مکمل اور ناطق ہے۔ تو ایسے مجدد کی کیا ضرورت ہے
جس نے ہر صدی پر آنا ہے۔ فطرت انسانی کو سامنے رکھکر جو اس کا مطالعہ کریگا۔ وہ
آسانی سے اس سوال کا جواب دے سکتا ہے لیکن آنحضرت صلعم نے خود ہی اس مدت کی
تعیین فرما دی ہے۔ کہ جس میں تعلیم حقہ کی طرف سے انسانی طبیعت ایک حد تک غافل
ہو جاتی ہے۔ اور جس کے بعد کسی ہادی کی آ ضرورت پڑتی ہے۔ آپ نے اپنا نمونہ
دیکھنے کے لئے اپنے بعد امت کو بہی تین نسلوں کی طرف متوجہ کیا۔ یعنی صحابہ صحابہ
کے تابعین اور پھر تبع تابعین۔ یہ ظاہر ہے۔ کہ ایک نسل کی مدت تیس سال سے کچھ اوپر
ہوتی ہے۔ لہذا اس حدیث کو سامنے رکھ کر آسانی سے سمجھ آتا ہے۔ کہ تین نسلوں کے
بعد جس کی میعاد ایک سو سال ہوتی ہے۔ کوئی خدا کا بندہ ہادی ہوکر آجائے آنحضرت صلعم
سے پہلے تو اس ضرورت انسانی کو اللہ تعالیٰ نے یوں پورا کیا۔ کہ ہر دوسری تیسری نسل
پر ایک نہ ایک نبی کو بھیجا لیکن جب سرور کائنات دنیا میں خاتم النبیین ہوکر آئے۔ اور
شریعت حقہ نہ صرف کامل ہی ہوگئی۔ بلکہ اس کے قیام و حفاظت کے سامان بھی پیدا ہوگئے۔
تو صرف یہی ضرورت رہ گئی۔ اس مدت کے بعد جب لوگوں کی نگاہیں کسی سابق اسوہ کو
اچھی طرح نہ دیکھ سکیں تو کوئی انسان خدا کے ہاتھ سے پاک صاف ہوکر آئے۔ جو حقیقی متبوع

علیہ الصلوۃ والسلام کی اتباع میں اس قدر فنا ہو جائیے۔ کہ اس تابع میں متبوع کا رنگ پیدا ہو تو اس کو دیکھ کر لوگوں میں ایک حد تک اصلی رنگ پیدا ہو جاتا ہے یہی وہ حقیقت ہے۔ جس کی طرف صوفیوں کا فقرہ فنا فی المرشد فنا فی الرسول فنا فے اللہ اشارہ کرتا ہے قرآن کریم نے اُسی کو انسان کامل قرار دیا ہے۔ کہ جو خُدا کے رنگ میں رنگین ہو جائے۔ جس کی انسانیت پر اخلاق الٰہی غالب آجائیں۔ تخلقو باخلاق اللہ والی حدیث کے یہی معنی ہیں۔ فنا فے اللہ کا ایسا نمونہ رسُول میں ہوتا ہے۔ لہٰذا رسُول کے تابع رسُول میں فنا ہو کر فنا فے اللہ ہو جاتے ہیں۔ ہر ایسے تابع کے مُرید تدریجاً فنا فے الرسُول ہو کر فنا فے اللہ ہو جاتے ہیں۔ اس مقام پر کُل سلُوک ختم ہو جاتے ہیں۔ چُونکہ رسُول اللہ آٹھوں پہر ہماری کمزور آنکھوں کے سامنے نہیں ہوتا۔ اس لئے کوئی فنا فے الرسُول بطور نمُونہ ہم میں آتا ہے۔ ایسے فنا فے الرسُول کی ضرُورت حسب تحریر بالا ہر صدی پر ہو جاتی ہے۔ اسلئے ہر صدی کے سر پر ایک مُجدّد آتا ہے +

یاد رہے۔ کہ **بیعت** کا فلسفہ بھی یہی ہے۔ بیعت کے لفظی معنی اپنے کو بیع[1] کر دینا ہے۔ خُود قرآن نے بیعت کے یہی معنی کئے ہیں۔ اسی لئے ایک اور جگہ قرآن نے فرمایا۔ کہ ان لوگوں نے تیرے (نبی کریم) ہاتھ پر بیعت نہیں کی۔ بلکہ میرے ہاتھ پر بیعت کی ہے یعنی وہ مجھ میں فنا ہو گئے ہیں۔ یُوں تو ایک زمانہ بیعت کرنے کے سوا بیچین رہتا ہے اور اس کے سوا اپنے آپ کو پُورا مُسلمان نہیں سمجھتا۔ اور بات بھی صحیح ہے۔ کیونکہ بیعت سے مُراد تو فنا فے اللہ ہوتا ہے۔ اور اس فنا ہی سے تکمیل نفس ہوتی ہے۔ لیکن وقت تو یہی ہے کہ وہ لوگ کہاں ہے۔ جن کے ہاتھ پر ہاتھ رکھنے سے ایک شخص فنا فے اللہ ہو جا سکے۔ ایسے لوگوں کی تشخیص بڑی مشکل تھی۔ لہٰذا ہم پر خدا تعالے نے رحم کر کے اسی معاملہ میں ہماری رہنمُونی کی۔ ہمیں حدیث نبوی کی معرفت اطلاع کی۔ کہ وہ نفس ذکی جو فنا فی الرسُول

[1] سورۃ التوبۃ آیت ۱۱۲ +

ہو کر فنا فی اللہ ہوتا ہے ۔ وہ صدی کا مُجدّد ہوتا ہے ۔ چنانچہ ایسے ہی عظیم الشان انسان کے متعلّق حضرت مولانا رُومی نے فرمایا ہے ع

آں نبیٔ وقت باشد اے مُرید

انھیں فنا فی اللہ بزرگوں میں سے ایک بزرگ اور اپنے وقت کے مُجدّد حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی تھے ۔ جنھوں نے فرمایا ۔ کہ آنحضرت صلعم اور اُن سے پہلے مُرسلین تو اسماً نبی تھے ۔ اور ہم لقباً نبی ہیں ۔ غوث پاک کا یہ فقرہ ان باتوں میں سے ہے جس کی وجہ سے ابن جوزی اور اس کے ہمراہ کئی سو علماء وقت نے سیّد گیلانی پر فتوئے کُفر لگایا لیکن یہ وہی بات ہے ۔ جو حضرت مرزا صاحب نے آج فرمائی ۔ کہ مُجھے اعزازی طور سے نبی کہا گیا ہے ۔ یہی عقیدہ حضرت محی الدین ابن عربی کا تھا ۔ اسی حقیقت کی طرف حضرت احمد مُجدّد الف ثانی سرہندی اپنے ملفُوظات میں اشارہ فرماتے ہیں ۔ جہاں وہ کہتے ہیں ۔ کہ آنحضرت صلعم اور میں ایک ہی چادر میں سوتے ہیں +

اسی بناء پر میں نے اپنی کتاب توحید فی الاسلام میں لکھ کر لکھا ہے ۔ کہ کسی مامور من اللہ (مجدد) کے سوا کسی اَور کے ہاتھ پر بیعت کرنی ایک خطرناک غلطی ہے ۔ بیعت کرنے کی غرض تو فنا فی اللہ ہونے سے ہے ۔ اور فنا فی اللہ وہی ہو سکتا ہے جسے خداوند تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے ایسا کیا ہو ۔ اپنے اپنے وقت میں وہ رسُول ایسا ہی ہُوا کرتے تھے لیکن ہمارے وقت میں ایسے لوگ مُجدّد ہو کر آئے ۔ یہ ایک موٹی بات تھی ۔ کہ انسان کے اخلاق علی العمُوم دوسروں کے اخلاق کی نقل ہوتے ہیں انسان علی العمُوم اپنے محبُوب و مطلوُب کا ہم رنگ ہو جاتا ہے ۔ صدہا لوگوں کو ہم دیکھتے ہیں ۔ کہ وہ اپنے پیر کی اتّباع میں ایسی باتیں کرنے لگتے ہیں جس کی تائید حدیث و قرآن سے نہیں ہوتی ۔ کیونکہ حضرت مرزا صاحب مُجدّدیت کے مُدعی تھے ۔ اور اپنے آپ کو فنا فی الرسُول کے مقام پر گنتے تھے ۔ اسلئے جہاں آپ نے اپنے ہاتھ پر بیعت لی

وہاں آیندہ نسل کے لئے تاکید فرمادی۔ کہ میرے بعد صرف میرے نام پر بیعت لیجائے اس سے صاف ثابت ہوگیا۔ کہ بیعت کرنا تو ضروریات سے ہے لیکن بیعت مجدّد کے ہاتھ پر ہونی چاہئے۔ یا کسی ایسے کے ہاتھ پر جو مجدّد کے نام پر بیعت لے + یہ سچ ہے۔ کہ بیعت کی کئی اقسام ہیں۔ ایک **بیعت توبہ** ہوتی ہے۔ ایک **بیعت ارشاد** ہوتی ہے۔ ایک **بیعت دم** ہوتی ہے۔ بیعت توبہ کا تو مقصد اسی قدر ہے۔ کہ کسی متّقی کے ہاتھ پر کوئی انسان اپنے گناہوں کی توبہ کرلے اور آیندہ گناہوں سے بچنے کا اقرار کرے۔ گویا جس کے ہاتھ پر ہم نے بیعت کی۔ وہ ہمارا گواہ ہوگیا۔ اور اگر اُسکی عزت ہمارے دل میں ہے۔ تو لازماً ہم گناہوں سے بچنے کی آیندہ کوشش کرینگے۔ حضرت مرزا صاحب نے جن الفاظ میں بیعت لی۔ وہ بھی قریب قریب بیعت توبہ تھی۔ بہت ہی کم ایسے لوگ ہیں۔ کہ جن سے اُنھوں نے بیعت ارشاد لی ہو جس کے معنی یہ ہیں۔ کہ مرید پیر کے ہر ارشاد کو مان لے۔ غالباً حضرت مرزا صاحب جماعت کی کمزوری کے باعث عموماً اس قسم کی بیعت نہ لیتے تھے۔ ممکن ہے حضرت مولوی نورالدین صاحب نے کسی سے بیعت ارشاد بھی لی ہو۔ چنانچہ بیعت توبہ کے بعد آپ نے مجھ سے اور حضرت مولوی محمد علی صاحب سے بیعت ارشاد لی لیکن بیعت دم تو نہایت ہی خطرناک بیعت ہے۔ صحابہ کرام نے بیعت دم کی تھی۔ یعنی مرید کا مرشد کے اشارہ پر جان دیدینا۔ حیرت کا مقام ہے۔ کہ اس زمانہ کے **پیر مریدین سے چاہتے ہیں۔ کہ وہ اپنے عقل و فکر کو بیچ کر وہ کریں جو پیر کے منہ سے نکلے۔**

الغرض بیعت توبہ کے بعد کسی اور امر کی بیعت لینے کا اہل صرف مجدّد ہُوا کرتا ہے مثلاً مَیں دیکھتا ہوں۔ کہ آج سے چند سال پہلے میاں محمود احمد صاحب کا جو طریق عمل تھا۔ آجکل اُس کے خلاف ہے۔ وہ ایک وقت غیر احمدی کو بشدّت کافر کہتے تھے۔ بلکہ ۱۹۲۴ء / ۱۹۲۵ء میں آپنے بمقام بمبئی کہا۔ کہ اگر میری گردن پر بھی تلوار رکھ دی جائے۔ تو میں غیر احمدی کو کافر کہونگا

اُن کی اتباع میں کُل اصحابِ قادیان اہلِ کلمہ کی تکفیر کرتے رہے ۱۹۲۵ء میں مکرمی شیخ یعقوب علی صاحب تُراب قادیانی نے ولایت جاتے ہُوئے مجھے جہاز میں کہا کہ ہمیں (جماعت قادیان کو) آج سمجھ آگئی۔ کہ غیر احمدیوں سے ہمارا اجتناب غلط ہے۔ اور اب ہم اُس کا ازالہ کرینگے۔ ہاں یہ تو نظر آتا ہے۔ کہ میاں صاحب اب دوسروں کو کافر کہنے میں متامل ہیں۔ اس کے بعد دوسروں کہنے کی بجائے مسلم بھائیوں کو اصطلاحی مُسلمان کہنا شروع کیا۔ پھر فرمایا۔ کہ پولیٹیکل طور سے ہم سب ایک ہیں۔ الغرض یہ ساری کشمکش اس بات پر تھی۔ کہ وہ اپنی جماعت کو دوسرے مسلمانوں کی تکفیر پر لا چکے ہیں۔ اب ضرورتِ وقت نے اور شاید کسی کے اشارہ نے اُنھیں مجبُور کیا کہ اس مسئلہ کو چھوڑ دیا جائے خیر کوئی وجوہ ہوں۔ ہمارے لئے وہ مُبارک دن ہوگا۔ جب آپ عقیدہ تکفیر کو چھوڑ دینگے۔ مگر یہ امر متحقق ہوگیا۔ کہ ایسے نوجوان کو متبوع بتانا کس قدر مشکل ہے وہی جماعت جو کل تک مُسلم دُنیا کو علے الاعلان کافر کہتی تھی۔ وہ آج کہتی ہے۔ کہ لاہوریوں نے ہم پر یہ الزام لگایا ہُوا ہے کہ ہم لوگوں کو کافر کہتے ہیں۔ بلکہ ہمارا عقیدہ تو لاہوریوں کا عقیدہ ہے۔ چنانچہ حضرت میاں صاحب کے ایک سرحدی مرید نے مجھے لکھا۔ کہ پیغام صلح میں کیوں بار بار اس بات پر زور ہوتا ہے۔ کہ قادیانی دوسروں کو کافر کہتے ہیں۔ جب اس پر اب وہ خاموش ہیں۔ تو ممکن ہے۔ کہ لاہوریوں کے مقابل وہ ضد پر آجائیں۔ یہاں میں اپنا عقیدہ لکھ دیتا ہوں۔ اور یہی لاہوری جماعت کا ہے۔ اور یہی وہ عقیدہ ہے جو حضرت مرزا صاحب کا ہے۔ کہ میں کسی اہل کلمہ کو اسلئے کافر نہیں کہتا۔ کہ وہ میرے (یعنی حضرت صاحب کے) دعوے کا مُنکر ہے۔ اب اگر حضرت میاں صاحب کا بھی یہی عقیدہ ہے۔ تو صاف لکھ دیں کہ حضرت مرزا صاحب کے دعوے کے انکار سے کوئی شخص کافر نہیں ہوتا تو معاملہ صاف ہو جاتا ہے۔

بدقسمتی سے مُجدّد کا پہچاننا اس قدر مشکل نہ تھا۔ جیسے کہ آج ہمارے زمانہ میں ہوگیا حدیثوں کے منکر تو جو چاہیں کہیں لیکن صحیح حدیث کے آگے سر جُھکانیوالے بھی حدیث

میں آکر بعض وقت حیرتناک تحویلیں کر دیا کرتے ہیں۔ حدیث مُجدّد سے تو اِنکار نہیں کر سکتے۔ لیکن کہتے ہیں۔ کہ وقت کے علماء ہی مجدد ہوتے ہیں۔ یہ بزرگ کبھی خیال نہیں کرتے کہ اس سے پہلے تو کسی زمانہ میں اس حدیث کے یہ معنے نہیں لیئے گئے۔ اسمیں شک نہیں۔ کہ بعض صدیوں میں مُسلمانوں نے ایک سے زیادہ بُزرگوں کو مجدد مانا ہے۔ سو اس کی وجہ ظاہر ہے۔ جب اسلام مُختلف ممالک میں چلا گیا۔ اور ایسی باتیں بھی ایک ہی وقت مختلف ممالک میں پیدا ہوگئیں جن کی اصلاح مُجدّد کیا کرتے ہیں۔ اور اس زمانہ میں بعض اسلامی ممالک کا تعلق مابین ایسا نہ تھا۔ جیسا کہ آج ہے۔ تو اگر مصلحت ربّی اقتضاء وقت پر اگر ایک سے زیادہ مُجدّد پیدا کر دے۔ تو کوئی عجب بات نہیں لیکن حدیث سے مُراد یہ تو نہیں کہ ؎

نہ ہر کہ مُو بتراشد قلندری داند

مُجدّد کے کچھ خاص فرائض ہوتے ہیں۔ وہ ہر مولوی کا کام نہیں۔ کہ وہ ادا کر سکے نہ اس زمانہ میں کوئی عالم نظر آتا ہے۔ کہ جو اس وقت اس خطاب کا اہل ہو سکے۔ بدقسمتی سے یہ بحث ایک قسم کی ذاتیات کو اپنے اندر لے آئی ہے۔ اسلئے میں اسے چھوڑتا ہوں میں مسلم مجددین کی زندگی کو سامنے رکھ کر اُن فرائض کو گن دیتا ہوں۔ جو کسی مُجدّد کے سُپُرد ہُوا کرتے ہیں۔ تو پھر مجدّد کی تشخیص ایک آسان امر ہو جائیگا۔ مُجدّد کا پہلا فرض یہ ہے۔ کہ اسلام پر سے بیرونی اور اندرونی حملوں کو دُور کرے۔ اوّلاً۔ غیر مُسلموں کی طرف سے جس قسم کے حملے اسلام پر ہوں۔ ان کا دفعیہ کرے۔ بالمقابل ان عقائد باطلہ کی تردید کرے جو غیر مسلم مذاہب تعلیم کرتے ہیں۔ دوئم۔ ان امراض کا علاج کرے۔ جو اسلام کے اندر پیدا ہو گئیں۔ یعنی ان غلط عقائد کی تردید کرے جنھوں نے مسلم جماعتوں میں پیدا ہو کر مشکلات پیدا کر دی ہوں۔ ثالثاً۔ ان راہوں کو سوچے۔ جن سے اسلام کو تقویت ہو (رابعاً) مسلمانوں کو ان خطرات سے آگاہ کرے۔ جو اسلام پر

آنیوالے ہوں ۔ اور اُن کا صحیح علاج بھی بتائے ۔ ظاہر ہے ۔ کہ یہ چاروں فرض کچھ
ایسے دل و دماغ کو چاہتے ہیں ۔ کہ جن کی آبیاری اگر خدا تعالےٰ کرے تو درسی
اور رواجی علم سے یہ بات حاصل نہیں ہوتی ۔ اس زمانہ کو ہی دیکھ لیا جائے ۔ تو مجھے
تو کوئی ایک بزرگ ایسا نظر نہیں آتا جس کی قلم و زبان نے صرف امر اوّل کی ہی خدمت
من کُل الوجُوہ کی ہو ۔ یہ زمانہ ہی کچھ ایسا زمانہ ہے ۔ کہ آج سے پہلے اسکی نظیر بھی نظر
نہیں آتی ۔ گو معاملات مذہبی میں یہ زمانہ تلوار کا زمانہ نہیں رہا مگر آج قلم نے وہ کیا ہے
کہ اس کا سواں حصّہ بھی تلوار نہیں کر سکتی ۔ مذہبی تصادم جو دُنیا میں اور خصوصاً ہندوستان
میں پیدا ہُوا ہے ۔ وہ اس سے پہلے کبھی پیدا نہ ہُوا تھا ۔ اس صدی سے پہلے اسباب
مختلفہ کے باعث کوئی دوسرا مذہب اسلام کے مقابل نہیں آیا ۔ ہاں عیسائیوں سے
مجادلے قدیم الایام میں ضرور ہوئے لیکن وہ مجادلے بھی آنحضرتؐ کے زمانہ کے بعد اپنی
نوعیّت میں کوئی بڑی حیثیت رکھتے نظر نہیں آتے ۔ علاوہ ازیں اسلام کے ساتھ ساتھ
ہر مُلک میں اسلامی سلطنت گئی ۔ اور چونکہ مُسلم فرمانروا تعلیم قرآن کے ماتحت کسی مذہب
میں دخل نہ دیتے تھے ۔ بلکہ دوسروں کے ساتھ ہر قسم کی روا داری سے کام لیتے تھے
اِسلئے اسلام اور دیگر مذاہب میں کہیں تصادم نظر نہیں آتا ۔ لیکن گزشتہ ڈیڑھ سو برس
کچھ ایسے گذرے ہیں ۔ کہ جب اسلامی سلطنت ہندوستان سے گُم ہو گئی ۔ اور نئی سلطنت
نے اگرچہ رعایا میں مذہباً دخل نہ دیا لیکن گورنمنٹ کے ہم مذہب **پادریوں** نے
جہاں اس مُلک کے ہر مذہب پر کم و بیش حملے کئے ۔ اُن کے حملوں کی شدت اسلام کے
خلاف بڑھ گئی ۔ ان لوگوں نے ایسا غلیظ سے غلیظ لٹریچر اسلام کے خلاف پیدا
کیا ۔ کہ جسے پڑھ کر انسان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں ۔ اُن کے دیکھا دیکھی
اور غیر مُسلم بھی اُٹھے لیکن ان نئے حملہ آوروں نے درصل پادریوں کی نقل کو جاٹا ۔
اُنھوں نے انہی باطل حملوں کو دُہرا دیا ۔ جو عیسائی پادریوں کی طرف سے ہوئے تھے

عیسائی ۔ آریہ ۔ برھمو ۔ سکھ ۔ دہریئے سب کے سب اسلام پر حملہ آور ہوئے ۔ پھر جیسے کہ میں نے لکھا حملے بھی کچھ اس قسم کے خطرناک گندے اور اسلام کے مزیلِ شان تھے ۔ کہ ان کو دیکھ کر انسان کا دل خون ہو جاتا ہے ۔ ان حملوں نے تو شرافت کا نام مٹا دیا ۔ جن پر جزاء سیئۃً سیئۃً بمثلھا کا رنگ ہو گیا ۔ ان حملوں کے مقابل میں اس قسم کی ضرورت پیدا ہوگئی ۔ جو تلوار کا کام دے ۔ جو نہ صرف ان حملوں کا ہی کما حقہٗ جواب دے ۔ بلکہ دشمن کے کمزور قلعوں میں کچھ اس قسم کی زبردست زد کرے ۔ کہ جس سے دشمنوں کے دانت کھٹے ہو جائیں ۔ وہ اپنا بچاؤ اسی میں دیکھیں ۔ کہ اسلام پر حملہ کرنے سے باز آجائیں ۔ میں بلا خوفِ تردید کہتا ہوں کہ اگر آج سے پہلے اسلام پر مختلف جوانب سے ایک ہی وقت میں ایسے خطرناک حملے نہیں ہوئے ۔ تو پھر ان سب کا اندفاع اگر کسی نے کیا تو صرف ایک مرزا غلام احمد علیہ الرحمۃ نے کیا ۔ میں خوش اعتقادی کے رنگ میں یہ باتیں نہیں لکھ رہا ۔ میں علیٰ وجہ البصیرت اور علے الاعلان کہتا ہوں ۔ اور اپنے دوستوں سے دریافت کرتا ہوں ۔ کہ وہ کُل ہندوستان میں سے کسی ایک ہی عالم کا نام لیں ۔ جس نے نہ صرف ان سارے حملوں کا جواب دیا ہو ۔ بلکہ جس نے صحیح اور جائز طور سے فریق مقابل پر اس قسم کے کفر توڑ حملے کئے ہوں ۔ کہ جس سے دشمن کو اپنی جان کے لالے پڑ جائیں ۔ اور حق الامر یہ ہے کہ حضرت مرزا صاحب جب تک یہ طریق عمل اختیار نہ کرتے ۔ تو منہ زور دشمن نہ رکتا جو حملے ۱۸۵۰ء کے بعد پادری ولیم (ریواڑی) اور اس کے ہمنواؤں نے ہم پر کئے اور وہ سالہا سال تک جا بجا رہے ۔ وہ آج کہاں ہیں ۔ عیسائیوں کی طرف سے اسلام پر ان حملوں کا عشر عشیر بھی نظر نہیں آتا ۔ اس روک کی اصل اگر وجہ دیکھنی ہو ۔ تو عیسائی کانفرنس کی اس روئداد کو پڑھا جائے ۔ جو ۱۸۹۶ء میں بمقام لاہور ہوئی ۔ اس کانفرنس سے چند ماہ پہلے ایک خبیث باطن پادری فتح مسیح نام نے کچھ باتیں آنحضرت صلعم

کے خلاف لکھیں ۔میں اُس وقت قادیان میں تھا ۔جب اُس کی تحریر وہاں پہنچی اُس پست فطرت نے کھلے کھلے الفاظ میں سید المعصومین کو معاذ اللہ زانی قرار دیا ۔ آپ کے حسب نسب پر حملہ کیا ۔ اور وہ کچھ لکھا ۔ کہ جس کے دُہرانے کی تاب بھی مجھ میں نہیں ۔ اس کے جواب میں حضرت مرزا صاحب نے ایک رسالہ موسُوم بہ فتح مسیح لکھا ۔ انہیں مذکورہ بالا الزام کے جواب میں آپ یہ لکھتے ہیں ۔ کہ دُنیا نے آئے دن ایسے خبیث باطن دیکھے ہیں جنھوں نے صلحاء و اتقاء کی ذات پر حملے کئے ہیں ۔ آج اگر بعض عیسائی آقائے نامدار کو معاذ اللہ زانی کہتے ہیں ۔ تو یہودی آج تک جناب مسیح کو ولد الزناء اور آپ کی والدہ کو زانیہ کہتے ہیں ۔ پھر آگے چل کر لکھا ۔ کہ تم تو آنحضرت صلعم کے نسب پر جھوٹے حملے کرتے ہو ۔ لیکن تمہاری الہامی کتاب توریت میں اُن عورتوں کو بازاری اور فاحشہ عورتیں بیان کیا ہے ۔ جو مسیح کی دادی اور نانی تھیں لیکن جس طرح تم نے سید المعصومین پر جھوٹے حملے کئے ہیں ۔ ویسے ہی بد باطن ۔یہودیوں نے یہ حملے کئے ہیں ۔ اس کتاب نے علے الخصوص عیسائی کیمپ میں ایک آگ لگا دی بعض اس پر تلے ہوئے تھے ۔ کہ حضرت مرزا صاحب کو قانونی شکنجہ میں کھینچا جائے لیکن جب عیسائی کانفرنس نے اس کتاب کو دیکھا ۔ اور اس کے مطالب پر غور کیا ۔ تو وہ اس نتیجہ پر آ گئے کہ جناب مرزا صاحب نے جو کچھ لکھا ۔ وہ ڈیفنس میں لکھا ۔ ہم نے (عیسائیوں نے) خود اسلام پر ایسے حملے کئے ۔ جو کسی شریف کی زبان کے زیبا نہیں ۔ تو اس کے جواب میں جو کچھ حضرت مرزا صاحب نے لکھا ہے ۔ وہ حق بجانب تھے ۔ اسلئے بہترین علاج یہی ہے ۔ کہ آیندہ اسلام پر ہماری (عیسائی) طرف سے حملہ نہ ہو ۔ یہ ۱۸۹۶ء کا واقعہ ہے ۔ اُس تاریخ سے حضرت مرزا صاحب کی وفات بلکہ بعد تک بھی دیکھا جائے ۔ تو عیسائیوں کی طرف سے ہمیں کوئی وزنی حملہ نظر نہیں آتا ۔ چونکہ وہ شریف قوم تھی ۔ اسلئے آج بھی اُن کے حملے وہ نہیں جو پہلے تھے اب کون کہہ سکتا ہے ۔ کہ عیسائیوں کے اس سیلاب کو حضرت مرزا صاحب کے سوا کسی اور نے

روکا۔ وہ تو ایک شریف قوم تھی۔ جیسے کہ میں نے اُوپر لکھا ہے لیکن حضرت مرزا صاحب کی ذاتِ بابرکات کے اثر اور اس کے مقابل غیروں کی مخالفت اسلام کے مد و جزر کو اگر کسی نے ملاحظہ کرنا ہو تو آریہ اصحاب کی حالت کو دیکھ لے۔ آج سے نصف صدی پہلے کے ہندی پادریوں کے قدم بقدم آریہ چلے۔ اندرمن۔ سوامی دیانند اور بعد میں پنڈت لیکھرام نے پناہ بخدا اسلام کے خلاف وہ طوفان اُٹھایا۔ کہ یہ معاندین اپنے خیال میں اسلام پر روزِ سیاہ لے آئے۔ آخر **قادیان** سے **نُورِ اسلام** چمکا۔ اور سنہ ۱۹۰۸ء میں ہم نے دیکھ لیا۔ کہ ہمارے بالمقابل آریوں کو بھاگتے ہوئے کوئی مفر نظر نہ آیا۔ اُس وقت میرے وکیل آریہ دوست اکثر کہا کرتے تھے کہ جناب مرزا صاحب آخر مغل ہی ہیں اُنھوں نے قلم کے ذریعہ ہمارے ساتھ وہ کیا جو اورنگزیب نے ہمارے آبا و اجداد کے ساتھ تلوار سے کیا۔ سیاست مغلیہ سے تو انکار نہیں البتہ جس طرح یہ قوم اورنگزیب پر غلط اور ناجائز حملہ کر رہی ہے۔ ان کا یہی طریق عمل حضرت مرزا صاحب کے متعلق رہا۔ یہ آریہ آتش ٹھنڈی ہو گئی۔ اور حضرت کی وفات کے بعد ہی دس بارہ سال اس بے تمیزی کی طرف سے امن رہا لیکن حضرت مرزا صاحب کے بعد جب اُن کی جماعت میں تشکیکی فساد شروع ہو گئے۔ اور ایک ایسے مسئلہ پر قوم کے چودہ سال ضائع ہو گئے۔ حالانکہ اس پر ایک کتاب **النبوّت فی الاسلام** کافی تھی۔ تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہُوا۔ کہ ہم حضرت مرزا صاحب کے طریق عمل کو بھول گئے۔ جس طرح اُس **سلطان القلم** کی قلم ہر رنگ میں خدمت اسلام کیلئے وقف تھی۔ اور ایک چومکھیہ چراغ کی طرح نُورِ اسلام کو ہر طرف پہنچاتی تھی۔ وہ بات ہم میں نہ رہی۔ قادیانی ہوں یا لاہوری ہم سب بعض اُمورِ ضروریہ کو بھول گئے۔ ہم اپنے گریبان میں مُنہ ڈالکر دیکھیں کہ آریہ جماعت کے مقابل میں ہمارے قلم سے کہاں تک مستقل لٹریچر نکلا۔ چند ورقوں کے پمفلٹ یا ہنگامی پوسٹر نکال لینا ویسے ہی بے سود چیزیں ہیں۔ جیسے ہنگامی

جوش کے ماتحت لوگوں کے اعمال و افعال ہؤا کرتے ہیں +

جناب میرزا صاحب کا کام ایک مُعیّن کام ہے۔ اگر وہ مسیح موعُود ہیں ۔ تو حضرت نبی کریم صلعم نے اوّل سے ہی اُن کے دو کام مُقرر کر چھوڑے ہیں (۱) **کسر صلیب** (۲) **قتل خنزیر**۔ حضرت مرزا صاحب نے اس کی تشریح یُوں کردی ہے۔ کہ یہ دونوں کام قلم کے ذریعہ ہونگے۔ آپ نے اپنی زندگی میں یہ دونوں کام شروع کر کے دکھلا دیئے۔ اور ہمارے سامنے ہماری مصروفیت ملّیہ کے واسطے ایک دستوُر العمل تجویز کر دیا۔ ہم غور کریں۔ اور میں تو عرقِ ندامت میں ڈوب جاتا ہوں کہ آخر ہم نے کیا کیا۔ میرے مکاشفہ میں حضرت کے بھی یہی الفاظ ہیں۔ ۱۹۱۴ء سے لے کر آج تک ہم دونوں جماعتوں نے ہندوستان میں کہاں تک یہ دونوں کام کئے۔ میں جماعت کی اس عدم توجّہ کے اسباب بھی جانتا ہوں۔ میں جن پر انشاء اللہ آیندہ کچھ لکھوُنگا +

اِس جگہ میں یہ لکھ رہا تھا۔ کہ غیروں کی مخالفتِ اِسلام کا مدّوجزر اور اُسکے مقابل حضرت مرزا صاحب کی خدمات اس بات سے ظاہر ہوتی ہیں۔ کہ آپ کی زندگی میں یہ قوم اپنے حملوں سے باز آ گئی۔ لیکن جب اس صدی کا مُجدّد داخل جنّت ہو گیا اور اُس کے پیرو آریہ قوم کی طرف سے غافل ہو گئے۔ تو پھر گذشتہ دس سال میں آریوں کی طرف سے اسلام کے خلاف وہی قدیمی طُوفانِ بدتمیزی اُمڈ آیا اس کے مقابل آج مقدمے ہوتے ہیں۔ گورنمنٹ کی طرف دیکھا جاتا ہے میموریل بھیجے جاتے ہیں۔ ریزولیوشن پاس ہوتے ہیں۔ گورنمنٹ کو اپنی مقررہ پولیسی کے خلاف کرنے پر مجبور کیا جاتا ہے۔ بعض وقت جوش مذہبی ایسی صُورت اختیار کر لیتا ہے۔ کہ جس سے امنِ عامہ میں خلل آجاتا ہے۔ لیکن حضرت مرزا صاحب کے وقت تو ہمیں کسی ایسے کام کی ضرورت نہ پڑی۔ نہ ہم نے آج کی طرح ہندو قوم کی کاسہ لیسی

کی۔ نہ گورنمنٹ کے پاس پہنچے۔ مرزا نے اسلام کی ڈیفنس میں قلم اُٹھائی۔ پھر مقابل میں کوئی بیجا حملہ بھی نہیں کیا۔ وہی لکھا جو شاستری پُستکوں میں موجود تھا۔ واقعات کے خلاف ایک لفظ تک نہ لکھا۔ نتیجہ جو ہوا سو ظاہر ہے مخالف بیٹھ گئے اور ٹھنڈے ہو گئے۔ آج بھی مخالف قوم اگر باز نہ آئی تو اس کا علاج وہی ہے جو حضرت مرزا صاحب نے کیا۔ اُن کے نقش قدم پر ہم چلیں گے۔ یہ یاد رہے کہ ہم قانون دان ہیں۔ ہم اپنی ذمہ واریوں کو خوب سمجھتے ہیں۔ اگرچہ دفعہ ۱۵۳ الف آج ربڑ کی طرح ہر طرف کھینچی جا سکتی ہے لیکن شاستری لٹریچر میں وہ کچھ موجود ہے کہ جس کے انکشاف پر حضرت مرزا صاحب کے ایام واپس آ سکتے ہیں۔ اور قانون ہمیں روک نہیں سکتا۔ عیسائی مناظرین تو اس قدر مرعوب ہو چکے ہیں کہ آج بھی بروقت مباحثہ اُنھیں یہ فکر ہو جاتی ہے۔ کہ ان کا مدّ مقابل احمدی تو نہیں وہ احمدیوں سے جان چُراتے ہیں۔ بالمقابل ہمارا کوئی ذاتی بگاڑ آریہ بھائیوں سے نہیں لیکن اُن سے جا کر دریافت کرو۔ تو وہ فی الفور کہہ دینگے۔ کہ اگر دُنیا میں اُنکے کوئی دشمن مذہباً ہیں۔ تو وہ احمدی ہیں۔ اور وہی لوگ ہیں۔ جو ہمارا مقابلہ کر سکتے ہیں۔ کاش احمدی لوگ اس بات کو سامنے رکھیں۔ اور اگر ہم نے وہی طریق عمل جاری رکھا۔ جسمیں ہم سنہ ۱۹۱۴ء سے پڑ گئے۔ تو دشمنانِ اسلام احمدیوں سے بھی بے فکر ہو جائینگے ۔+

حدیث کے یہ الفاظ جن میں مسیح موعود کے دو کام تجویز ہوئے ہیں۔ یعنی کسرِ صلیب و قتلِ خنزیر نہایت واضح اور معنی خیز ہیں۔ اگر وہ ایک طرف غلبۂ عیسائیت کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ تو دوسری طرف الحاد ضلالت اور دوسروں کی مذہبی مُنہ زوریوں کا ذکر بھی کرتے ہیں۔ اب ان تیرہ سو سال میں دیکھ لیا جائے۔ تو ہمارا زمانہ ہی وہ زمانہ نظر آئیگا۔ جسمیں یہ تکلیف دہ اُمور شدید رنگ میں ظاہر ہوتے

غور کرنے کو تو ایک مختصر سی بات ہے۔ کہ اگر اسلام کے مجدد نے آکر اپنے وقت کے اُن حملوں کا انسداد کرنا ہے۔ جو اسلام پر اس وقت ہوں۔ تو پھر اس صدی کے مجدد کا بڑا کام اگر کسرِ صلیب اور قتلِ خنزیر نہیں تو اور کیا ہے۔ اور پھر میں کہتا ہوں۔ کہ اگر جنابِ مرزا صاحب موعُود مسیح نہیں تو نہ سہی۔ کام تو اُنھوں نے وہ ہی کیا۔ جو اس صدی کے مُجدّد کو کرنا چاہئے۔ بالفرض اگر حدیث شریف کے ماتحت یہ کام کسی آنیوالے بزرگ نے کرنا ہو تو اُس کے معنی صرف یہی ہو سکتے ہیں۔ کہ ہمارے زمانے سے بھی بڑھ کر کوئی اور خطرناک زمانہ آنے والا ہے۔ جب اسلام پر عیسائی اور آریہ حملے اور بھی خطرناک ہو جائینگے۔ گو یہ امر میری سمجھ میں تو نہیں آتا۔ کیونکہ اسلام کو معاذ اللہ نیست کرنے کے لئے تو موجُودہ حملے بھی کافی ہیں۔ لیکن خود مرزا صاحب نے بھی لکھا ہے۔ کہ ممکن ہے۔ کہ ایّام آخرین میں کوئی اور بزرگ مسیح موعُود کے نام پر آئے لیکن اس زمانہ میں اُس آنیوالے زمانے کا رنگ موجود ہے۔ عیسائی غلبہ اور اسلام کی کمزوری اس سے زیادہ اور کیا ہوگی۔ اور حضرتِ مرزا صاحب اس علاج کیلئے مامُور تھے۔ بہرحال میں کُل مسلمانوں کی خدمت میں عرض کرتا ہوں۔ کہ خنزیر و صلیب دُنیا سے معدُوم نہیں ہوئے۔ اور یہ دونوں جماعتیں اسلام کے کھا جانے کو اب بھی کھڑی ہیں۔ ان کے مقابل جب تک قلم سے کام نہ لیا جائیگا۔ کُل دوسرے اندفاعی طریق بیفائدہ ہونگے۔ ورتمان کا مقدمہ بھی ہوُا۔ راجپال بھی کیفرِ کردار کو پہنچا۔ لیکن کیا حملے ختم ہو گئے کیا راجپال کی کتاب کے بعد آریوں کی طرف سے خطرناک اور گندی کتابیں نہیں نکلیں خدانخواستہ کوئی منچلا غصے میں آکر پھر غلطی کر بیٹھے۔ اور ایک آدھ پُستہ زور کو سزا دے کر آپ بھی دُنیا سے رُخصت ہو جائے۔ یا ہم عدالتی چارہ جوئی کریں۔ یا گورنمنٹ کو اس گندے لٹریچر کو بند کرنے کے لئے میموریل دیں۔ یہ سب بے سود باتیں

ہیں۔ اُس کا وہی علاج ہے۔ جو حضرت مرزا صاحب نے کیا۔ آج کوئی مرزا کا نام لیوا اُٹھے۔ سلطان القلم کے ورثہ کا مالک بنے۔ مرزا کے رنگ کی ایک کتاب لکھے پھر دیکھے۔ کہ دشمنانِ اسلام سیدھے ہوتے ہیں یا نہیں۔ اور ایسی کتاب قانونی ذمّہ واریوں کو مدِّ نظر رکھ کر لکھی جا سکتی ہے +

بدقسمتی سے میری مصروفیات کچھ اس قسم کی ہیں۔ کہ مجھے لفظاً اور معناً سر کھجلانے تک کی فرصت نہیں۔ میں نے اپنی بیماری کو اسی لئے لمبا کر لیا۔ کہ جب کبھی مجھے صحّت ہونے لگی تو میں نے قلم اُٹھائی اور مصروف ہو گیا۔ اس انہماک سے کئی دفعہ میں قبر کے قریب پہنچ گیا۔ اب پھر صحّت کے قریب آ رہا ہوں۔ اس وقت بھی طبیبوں کے مشورہ کے خلاف وہی کام کر رہا ہوں۔ جو میرے لئے مُضر صحت ہے لیکن حالات کو دیکھ کر میں مجبور ہوں۔ اس وقت میرے زیرِ قلم تین ضروری تصنیفات ہیں۔ وہ تینوں قرآن کے متعلق ہیں۔ جن میں سے دو انگریزی میں ہیں اور ایک اُردو میں مجھے سمجھ نہیں آتی۔ کہ میں کس طرح دو سال میں اس کام کو ختم کر سکوں گا لیکن میرا دل چاہتا ہے۔ کہ میں کچھ وقت نکال کر ان لوگوں کی خدمت کر دوں۔ اگرچہ مغربی اقوام کے مقابل میں یہ لوگ نہایت ہی بے حقیقت چیز ہیں +

میں یہ عرض کر رہا تھا۔ کہ ہمارے زمانے میں اسلام کی مخالفت کا انتشار بہت بڑھ گیا۔ اور چاروں طرف سے حملے ہوئے۔ اور عجیب اتّفاق ہے۔ کہ یہ سب کے سب حملے ہندوستان میں ہی ہُوئے۔ عیسائی۔ آریہ۔ برھمو۔ سکھ وغیرہ ہندوستان کے سوا کسی اسلامی دُنیا میں نظر نہیں آتے۔ مصر میں علم کا کچھ چرچا ہے لیکن اہلِ مصر تو ان غیر مسلم حملوں کی کیفیّت تک سے واقف نہیں۔ اس کے مالہٗ و ما علیہ کو بھی نہیں جانتے۔ وہ ان حملوں کا کب جواب دے سکتے ہیں۔ اب اگر یہ حملے اس صدی میں ہی ہُوئے۔ اور ان کا مرکز بھی ہندوستان ہی ٹھیرا تو اس صدی کا

مجدد ہندوستان کے سوا کہاں ہو سکتا ہے۔ مجھے عیسائی قوم سے مقابلہ پڑا ہے۔ میرے سامنے یورپ کے لوگ ہیں۔ لیکن میں ایما تاً عرض کرتا ہوں۔ کہ مغربی عیسائیوں کی اصلاح آسان سے آسان ہے۔ لیکن ہندوستان کے عیسائی کالحیہ دارد کے مصداق ہیں۔ عیسائی اور آریوں کے بعد سکھ دوستوں نے کسی قدر آریوں کی ہمقدمی کی بر اھمو سماج نے شرافت کے ساتھ اسلام کے نازک سے نازک قلعہ پر حملہ کیا۔ اب ان چاروں قوموں کو سامنے رکھ کر میں عالم اسلام میں ایک بزرگ بھی نہیں پاتا۔ جس نے تن تنہا اور بحیثیت مجموعی ان سب کو خاموش کیا۔ اور ہر اعتراض کا اطمینان بخش جواب دیا۔ اب حضرت مرزا صاحب کو تو دارالبقاء میں گئے ہوئے بائیس تئیس سال ہو گئے ہیں۔ ان کی تحریر کے موازنہ کرنے پر بھی کافی وقت گذر چکا ہے۔ ان کے جواب میں جو کچھ کسی نے لکھنا تھا وہ بھی لکھ دیا گیا۔ لیکن میں اس وقت بھی کہتا ہوں۔ کہ جو کچھ حضرت مرزا لکھ گئے۔ وہ ان موضوعات پر آنیوالی قلمیں توڑ گئے۔ عیسائیوں کے برخلاف تو مرزا صاحب ایک بیط لٹریچر چھوڑ گئے لیکن آریہ اصحاب کے مقابل بھی آپ کی تین کتابیں ناطق فیصلہ کا حکم رکھتی ہیں۔ سرمۂ چشم آریہ۔ شحنۂ حق۔ آریہ دھرم۔ وہ کتابیں آج بھی اپنے نتائج کے لحاظ سے بطور رہنما زندہ موجود ہیں۔ سکھوں کی تبلیغ کے لئے آپ کی کتاب ست بچن ایک لاجواب تحریر ہے۔ جس میں دلائل مبینہ سے آپ نے ثابت کیا۔ کہ حضرت باوا نانک صاحب علیہ الرحمۃ ایک مسلمان ولی تھے۔ اس کے ثبوت میں نہ صرف آپ نے باوا صاحب کے کلام کو ہی پیش کیا۔ بلکہ اس چولہ شریف کا پتہ بتلایا۔ جو باوا نانک صاحب کو کسی مسلم اہل اللہ نے بطور تحفہ دیا تھا۔ اس چولا شریف کے متعلق سکھوں کا ایمان یہ ہے کہ یہ نوری جامہ باوا صاحب کیلئے آسمان سے اترا۔ اس میں کیا شبہ ہے۔ جو کچھ چولا شریف پر لکھا ہوا ہے۔ وہ آسمان سے ہی نازل ہوا ہے۔ باوا صاحب ساری عمر اس چولہ کو زیب تن فرماتے رہے۔ آج بھی آپ کے ڈیرہ میں اس مبارک چولہ کی ایک طرح پرستش ہوتی ہے

زیارت کے وقت سکھ معتقدین اس کے لئے سجدہ میں جا گرتے ہیں۔ اب وہ چولہ کیا ہے اس پر قرآن شریف لکھا ہے۔ میں کوئی سُنی سُنائی بات نہیں کہتا۔ میں حضرت مرزا صاحب کے ساتھ ڈیرہ باوا نانک چولہ صاحب کی بھی زیارت کو گیا۔ ہم نے سارے کا سارا چولہ دیکھا۔ اگرچہ عام ناظرین کو اُس کی ایک آستین کا اگلا حصّہ دکھلایا جاتا ہے۔ اس حصّہ پر بھی آیتِ کریمہ لا الٰہ الّا انت سبحانک انی کنت من الظالمین بشکلِ دائرہ لکھی ہوئی ہے۔ اس دائرہ میں چند خطوط مرکز سے گذرتے نظر آتے ہیں۔ اس طرح وہ دائرہ ایک تعویذ کی شکل میں ہو جاتا ہے جس کے مختلف خانوں میں اسمائے حسنہ میں سے چند نام لکھے ہوئے ہیں۔ اس قسم کے دائرے کثرت سے ہیں۔ ہر دائرہ کا دائرہ تو کسی قرآن کی آیت سے ہے۔ اور بیچ میں چند اسماء حسنہ ہیں۔ سارا قرآن تو چولہ شریف پر لکھا ہوا نہیں۔ لیکن قریباً تمام ایسی آیات قرآنی خوش قلم نستعلیق خط میں اس پر موجود ہیں جن میں توحید باری اور محمد عربیؐ کی رسالت کا ذکر ہے۔ چولہ کے اس مقام پر جو انسان کے سینہ پر آتا ہے نہایت جلی قلم میں افضل الذکر لا الٰہ الا اللّٰہ محمّد رسول اللّٰہ لکھا ہوا ہے۔ جس کے نیچے انّ الدّین عند اللّٰہ الاسلام والی آیت درج ہے۔ چولہ شریف کے کناروں پر کُل آیت الکرسی جلی قلم میں ہے۔ اب سکھ بھائی غور کریں۔ کہ جس کو وہ سجدہ کرتے ہیں۔ وہ تو قرآن مجید ہے۔ قرآن کریم ہی گویا بطور وصیت و ورثہ باوا صاحب کی طرف سے سکھ صاحبان کے حصّہ میں آیا ہے۔ آجکل لباس سے تو ہندوستان میں کسی عقیدہ یا مذہب کی تمیز نہیں ہوسکتی۔ لیکن اگر کوئی شخص ہمارے سامنے آئے اور اُس کی چھاتی کے مقام پر بالفرض صلیب کا مجسمہ معلّق ہو جیسے کہ ہم اکثر دیکھتے ہیں۔ تو وہ صلیب اعلان کردیتی ہے۔ کہ یہ شخص عیسائی ہے۔ ایک شخص اپنی آخری عمر تک ایک چولہ پہنے پھرتا ہے۔ اس کے سینے کے مقام پر موٹے الفاظ میں کلمہ طیبہ موجود ہے۔ اور اس کے نیچے لکھا ہوا ہے۔ کہ خدا کا مذہب اسلام ہے۔ تو پھر وہ

مسلمان نہیں تو اَور کون ہے؟ باوا صاحب مُنافق نہ تھے نہ نفاق اختیار کرنی انھیں ضرورت تھی٭

سکھوں کے بعد برہمو سماج کے متعلق بالمقابل اسلامی متکلّمین کا فرض تھا کہ کچھ نہ کچھ لکھا جائے۔ کیونکہ سب سے پہلے اسی سماج سے آواز آئی ہے کہ خدا انسان سے نہیں بولتا۔ نہ کسی کتاب الٰہیہ کے الفاظ خدا کے الفاظ ہیں۔ یہ عقیدہ دُنیا میں آہستہ آہستہ کچھ ایسا دائرو سائر ہوتا گیا۔ کہ عیسائی یہودی اور بعد میں آریہ بھی انکے ہمنوا ہوگئے۔ سب نے تسلیم کیا۔ کہ ان کی الہامی کتابیں خدا کے الفاظ نہیں۔ ہاں انکے مطالب الہامی ہیں۔ اس عقیدہ کا اثر مسلمانوں پر بھی پڑا۔ نیچری مزاج لوگوں نے قرآنی مطالب کو خدا کیطرف سے سمجھا لیکن کتاب مجید کے وحیٔ متلو ہونے سے انکار کر دیا۔ ایسے موقعہ پر ایک ایسے لٹریچر کی ضرورت تھی کہ جسمیں نہ صرف وجود الہام کو ثابت کیا جائے۔ بلکہ اُسکے ثبوت میں کوئی شخص اپنا ذاتی تجربہ بھی بیان کرے اور یہ بھی کہے۔ کہ اسکی تربیت سے لوگ اس نعمت کو پاسکتے ہیں میرے نزدیک عیسائی۔ آریہ سکھ وغیرہ ان سب اصحاب کے مقابل برہمو سماج کا فکر کرنا اسلام کا فرضِ اولین تھا۔ برہمو تعلیم سے تو خود مذہب ہی بیخ و بُن سے نکل رہا تھا۔ چنانچہ حضرت مرزا صاحب کی پہلی مشہور کتاب براہین احمدیہ میں اسی بات پر زور دیا گیا۔ اور میں کہ سکتا ہوں۔ کہ اس موضوع پر اس کتاب میں فیصلہ کُن مسکت اور کافی مواد موجود ہے۔ اسمیں ایک بات نہایت ہی معنی خیز ہے اسوقت پنجاب میں سماج مذکور کے علمبردار پنڈت شونرائن ستنیا نند اگنی ہوتری تھے۔ جو بعد میں دیو سماج کے بانی ہو گئے۔ حضرت مرزا صاحب نے مسئلۂ الہام پر لکھتے ہوئے لکھا۔ کہ وجُود الہام متلو کے انکار سے انسان آخر کار ہستیٔ باریتعالیٰ سے منکر ہو جاتا ہے۔ آپنے پنڈت اگنی ہوتری کو اس حشر سے متنبہ کیا۔ کچھ عرصہ بعد پنڈت موصوف نے برہمو سماج سے الگ ہو کر من وجہ پیغمبری کا دعوے کیا۔ اور انار کلی میں ایک مضبوط جماعت بنائی۔ چنانچہ آپ کا مشہور لیکچر پیغمبر کیسے پیغمبر ہوتے ہیں اور پیغمبر ہونگے بڑے زور شور سے انار کلی دیو سماج میں دیا گیا۔ کچھ برسوں کے بعد جب انھیں آسمان سے کوئی آواز نہ آئی کیونکہ

وہ صحیح راستہ پر نہ تھے۔ تو اُنھوں نے اعلان کیا۔ کہ مَیں نے ہر طرح سے خدا کو بُلایا لیکن اگر کوئی خُدا ہوتا تو بولتا۔ کیونکہ کوئی آواز نہیں آئی۔ اسلئے کوئی خدا ہی نہیں اُنھوں علے الاعلان دہریت کی بنیاد رکھی۔ ضابطہ اخلاق کے تو وہ بھی قائل ہیں اسلئے اُنھوں نے ایک نئی سماج تو بنائی۔ لیکن انھوں نے بُدھ مذہب کی موجودہ شکل کو اپنے مذہب کا ڈھانچ بنایا۔ اور وہی باتیں ظاہر کیں۔ جو عارف باللہ بُدّھ کی طرف غلطی سے منسوب کی جارہی ہیں۔ بانی دیوسماج نے لکھا۔ کہ نیچر (دہرا وقتاً فوقتاً ایک خلاصۂ موجودات پیدا کر دیتی ہے۔ جو دُنیا کا متبوع ہونا چاہیئے۔ اور اس زمانے میں وہ خود ایسے متبوع ہیں۔ بدھ مذہب والے بھی یہی عقیدہ رکھتے ہیں وہ گیاشی گوتم سے پہلے قریباً اُنچاس بُدھوں کے گذرنے کے قائل ہیں۔ جن کا پچاسواں بُدھ کپل وستو کا شہزادہ گوتم تھا۔ ان کے ہاں بھی کسی بُدّھ کے آنے کی خبر ہے۔ سو پنڈت اگنی ہوتری نے مسلک تو وہی اختیار کیا۔ مگر چند ایک امتیازی نشان قائم کر کے دیوسماج کو بدھ مذہب سے الگ کر دیا۔ حق الامر یہی ہے۔ جیسے کہ مَیں نے پہلے بیان کیا۔ کہ صرف مکالمہ الٰہیہ جو نبوت کی ابتدائی شکل ہوتی ہے۔ خدا کے وُجُود کو مُنوّر کر سکتا ہے۔ اگر یہ نعمت دُنیا سے مفقود ہو جائے تو مذہب کا بھی آخر کار خاتمہ ہو جاتا ہے۔ چنانچہ فضلاء مغرب کا بھی یہی حشر ہوا۔ اب ہندو تعلیمیافتہ کا ایک حصّہ اسی طرف جارہا ہے۔ جن کی ایک شاخ کا نام نوجوان بھارت سبھا ہے۔ انہی کا ایک پیرو مُرشد پنڈت جواہر لال نہرو ہے۔ یہی وجہ سے قرآن نے مخالفین اسلام مگر قائلین ہستیٔ باریتعالےٰ کو یہ کہا۔ کہ اگر تُم صحیح راستہ پر ہو۔ تو تُم کس خُدا کو پُکار رہے ہو جو بولتا نہیں۔ یعنی مذہب حقّہ کا معیار ہی مکالمۂ الٰہیّہ ہے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ ربّ العالمین نے اُمّتِ مرحُومہ پر نہیں۔ بلکہ کُل دُنیا پر رحم کیا۔ کہ ختم نبُوّت کے بعد سلسلۂ مجددیت کو جاری رکھا جس کی طُفیل

ہر زمانہ میں خدا سے ہمکلام ہونیوالے دُنیا کو نظر آتے رہے +

مَیں نے فرائض مُجدّدیت میں دوسرا امر یہ بیان کیا ہے۔ کہ بیرونی حملوں کے بعد مُجدّد اپنی قوم کی اندرُونی امراض کا علاج کرے۔ میں دیکھتا ہُوں۔ کہ ایک وقت اسلام پر یُونانی فلسفہ غالب آگیا۔ جسکے شکار خود حضرت امام غزالی ہوگئے۔ برسوں اس چکّر میں رہے۔ عام مُتکلّمین علماء اسلام اسی فلسفے کے گرویدہ ہوتے جاتے تھے۔ آخر خُدا تعالیٰ نے حضرت امام غزالی کو ہی اس بڑھتی ہُوئی مرض کا حکیم مُقرر کیا۔ آپ کو دستار مجدّدیت عطا ہُوئی۔ آپ نے اس کے بعد فلسفۂ ربّانی کو قائم کر کے فلسفۂ یُونانی کی بیخ کنی کی۔ اِسی طرح فلسفیّت کی خُشک منطق اسلام پر کچھ ایسی غالب آگئی۔ کہ مسلمانوں میں سے علُوم باطنیہ کمزور ہوتے لگے۔ ظواہر پرست کے اُمور علمیّہ نے دماغوں پر قبضہ کر لیا۔ آخر کار سیدنا حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رُوحانی بادام روغن لائے اور اس صوفیت کی ازسر نو بُنیاد ڈالی۔ جس کے بانی حضرت علی کرم اللہ وجہہ تھے۔ اور سچ پُوچھو تو صوفیت ہی اسلام کی رُوح و رواں ہے۔ اگر مجدد الف ثانی اثناء عشریہ کے قابلِ ذم پہلو کو دُور کرنے آئے۔ تو حضرت شاہ ولی اللہ مُحدّث دہلوی نے اَور خدماتِ دین کے علاوہ حدیث کی عظمت کو قائم کیا۔ انکے کلام میں بھی ایک اعلےٰ درجہ کی رُوحانی غذا موجُود ہے۔ وہ بھی اپنے وقت کے مُدّعی مُجدّدیت تھے۔ تیرھویں صدی کے آغاز میں اسلام ہندو مذہب کی ہمسائیگی سے مرضِ شرک میں مُبتلا ہوگیا۔ پیر پرستی۔ گور پرستی اور آثار پرستی نے عام طور پر غلبہ پالیا۔ خُدا تعالیٰ نے سیّد احمد بریلوی کو اس شرک کی بیخ کنی پر مامُور کیا۔ اور انکے شاگرد سیّد اسماعیل شہید رحمۃُ اللہ نے نُمایاں خدمات کیں۔ اُنھوں نے شرک کو مٹانے کیلئے کتاب تقویتُ الایمان لکھی۔ اسمیں شک نہیں کہ اسمیں بعض فقرے

سختی کے رنگ میں لکھے گئے ہیں۔ لیکن سید شہید نے جو کچھ لکھا۔ وہ صحیح لکھا۔ اس وقت شرک کا کچھ اس قدر زور تھا۔ کہ شرک نے ذات مصطفوی کو بھی جس نے اُس کے توڑنے کیلئے کلمۂ شہادت میں اپنے نام کے ساتھ **عبدہٗ ورسولہٗ** کہلوایا۔ الوہیت کا جامہ پہنایا۔ حضرت نبی کریم کو لوگ اس خدا کی طرح مخاطب کرتے تھے۔ جس طرح آپ خدا کو مخاطب کرتے تھے۔ ہر ایک صالح بلکہ وقت کا مرشد تک خدا سمجھا گیا۔ اس غلو کو دیکھ کر سید موصوف نے قلم اُٹھایا۔ کام تو وہ کر گئے لیکن افراط و تفریط نے مصیبت ڈال دی۔ اہل حدیث کی جماعت ہندوستان میں انہی کی یادگار ہے۔ اس سے کس کو انکار ہوسکتا ہے کہ اس جماعت نے آج پچاس ساٹھ برس پہلے توحید کی حقیقی خدمت کی۔ اُنھوں نے حدیث کی بھی خدمت کی۔ لیکن اُن کے افراد کے جوش نے اُن کے منہ سے بزرگانِ اسلام اور خصوصاً مجتہدین کرام کی شان میں نامناسب کلمے کہلوائے۔ وہ زمانہ میری ابتدائے عمر کا تھا۔ آخر ہمارا زمانہ آگیا جس میں غیر مسلم حملے انتہا کو پہنچ گئے لیکن اسلام کے اندر بھی بعض مصائب آموجود ہوئے۔ اوّل تو یہی اہل حدیث تھے۔ جن میں امر بالا صحیح نہ تھا۔ علاوہ ازیں انھوں نے قرآن کے مقابل حدیث پر کچھ ایسا زور دیا۔ کہ حدیث ہی حدیث چاروں طرف نظر آنے لگی۔ پہلے تو یہ لوگ عبدالوہاب صاحب مرحوم کی اتباع میں اپنے آپ کو وہابی کہلوانا بُرا نہ سمجھتے تھے لیکن پولیٹیکل مصیبت نے اُنھیں گھبرا دیا۔ جس پر اس جماعت نے اپنا نام **اہل حدیث** قرار دیا۔ انہی کے بالمقابل آخر کار اہلِ قرآن پیدا ہوئے دوسری طرف علی گڈھ کی جماعت نے مکالمۂ الٰہیہ سے تو انکار کیا ہی تھا۔ لیکن اُن کے ساتھ ہی دُعا کے بھی منکر ہوگئے۔ اور یہ لازمی امر تھا جب خدا بولتا ہی نہیں۔ تو دُعاء میں ہم کس کو مخاطب کریں۔ اور کس طرح مقبولیت دُعا کا ثبوت ملے۔ چونکہ یہ لوگ مسلمان تھے۔ اور قرآن اُن کے ہاتھ میں تھا۔ جس نے عقلیہ طریق پر ہستیٔ باریتعالیٰ کو ثابت کردیا ہے۔ اسلئے یہ جماعت دہریہ تو ہو نہیں سکتی تھی لیکن تاثیر دُعا کی منکر ہوگئی +

اندریں حالات مجدد وقت کے سامنے بہت سی اندرونی امراض بھی تھے مکالمۂ الٰہیہ کے متعلق تو جو کچھ حضرت مرزا صاحب نے برھمو سماج کے متعلق لکھا تھا۔ وہی کافی تھا۔ البتہ دُعا کے مسئلہ میں آپنے ایک کتاب موسُوم بہ **برکات الدعا** لکھی جسمیں دُعاء کی حقیقت پر تو برو ئے تعلیم قرآن زور دینا ہی تھا۔ لیکن اس مسئلہ کے ثبوت میں آپنے بڑی مضبوط بات اسمیں یہی لکھی۔ کہ اللہ تعالیٰ میری دُعائیں سُنتا ہے۔ جو چاہے میرے پاس آئے استجابت دُعاء کی شرائط کو پورا کرے۔ پھر خود دیکھ لے۔ کہ خدا دُعاء کو سُنتا ہے یا نہیں۔ خدا کے دُعاء سُننے کا ثبوت یہ نہ ہوگا۔ کہ کسی معاملہ میں دُعا کی گئی۔ اور وہ ہو گیا۔ اور اس پر یہ کہ دیا۔ کہ دُعا سُنی جاتی ہے۔ اور جب وہ امر نہ ہؤا۔ تو کہ دیا۔ کہ یہ تقدیر مطلق تھی۔ اس طرح دُعا کی مقبولیت کا ثبوت تو ہر مذہب والا دے سکتا ہے۔ مثلاً نکاح کے بعد بچہ کا پیدا ہونا ایک طبعی امر ہے۔ اب اگر شولنگ کے پجاری اولاد کے ہوتے کو شو کی پرستش سے منسوب کردیں۔ تو کونسا مشکل امر ہے۔ استجابت دُعا کا نشان یہ ہونا چاہئے۔ کہ کسی امر مُہمّہ میں دُعا کی جائے۔ اور دُعاء کے بعد خدا کی طرف سے بیّن اور غیر مبہم الفاظ میں جواب ملے۔ اور آیندہ کے واقعات اس جواب کی تصدیق کریں + میں پھر عرض کرتا ہوں۔ کہ اسی قسم کے تجربہ سے دُعاء پر ایمان قائم رہ سکتا ہے۔ والّا خوش اعتقادی ایک دن میں ختم ہو جاتی ہے۔ اور انسان کو دُعا کے وجُود سے انکار کرنا پڑتا ہے۔ اس موقعہ پر میرا خاموش رہنا ایک ظلم صریح ہوگا۔ میں اللہ تعالےٰ کو حاضر و ناظر جان کر اس امر کی شہادت دیتا ہوں۔ کہ انہی شرائط کے ساتھ میں نے حضرت مرزا صاحب کو مستجاب الدعوات پایا۔ کئی مُریدین کے متعلق آپ نے دُعاء فرمائی۔ اور مشکل سے مشکل امر کے حل ہونے کی اطلاع آپ کو پیش از وقت دی گئی۔ میرے ذاتی معاملات میں بھی جب حضرت نے دُعا فرمائی۔ تو جس طرح انھوں نے پیش از وقت کہا ویسے ہی ہؤا۔ حضرت مرزا صاحب نہ خود ہی مستجاب الدعوات میں سے تھے۔ بلکہ انھوں نے

ایسے اور لوگ اپنی جماعت میں پیدا کر دیئے۔ ان میں سے ایک حضرت مولوی نور الدین صاحب مرحوم حکیم الامت تھے۔ جو مرزا صاحب کے بعد جانشین ہوئے۔ میں یہ نہیں کہتا۔ کہ اسلامی دنیا ان لوگوں سے خالی ہو گئی ہے۔ البتہ میں کہہ سکتا ہوں۔ کہ میرے علم و تجربہ میں حضرت مرزا صاحب کی لاہوری جماعت میں ایسے بزرگ موجود ہیں۔ جن کی دعائیں خدا سنتا ہے۔ اگر مجھے اُن کی طرف سے اجازت ہو۔ تو میں نام بھی لے سکتا ہوں۔ ممکن ہے کہ قادیان میں بھی ایسے لوگ ہوں لیکن آج قریباً سولہ سال سے میرا اُس جماعت سے کوئی تعلق نہیں۔ اس لئے مجھے کوئی ذاتی علم یا تجربہ نہیں لیکن میں تو اس فیضِ اسلام کا کچھ اس قدر قائل ہوں کہ احمدیت کے دائرے کے باہر بھی ایسے لوگ ہونگے۔ جن کی دعائیں خدا سنتا ہے۔ میرے نزدیک اسلام کی بڑی سے بڑی غرض یہی دو امر تھے۔ یعنی مکالمۂ الٰہیہ اور دعا کے وجود سے انکار۔ اہلِ حدیث کی تحقیقی خدمت سے کسے انکار ہو سکتا ہے البتہ افراط و تفریط کے جھگڑے ہیں۔ یہی حال شیعہ صاحبان کا ہے آخر الذکر جماعت کیلئے حضرت مرزا صاحب نے ایک کتاب عربی زبان میں موسوم بہ ہدیۃ الشیعین لکھی +

اجتہاد اور فقہ میں آپ فقہ حنفیہ کے قائل تھے البتہ فاتحہ خلف امام کے مسئلہ میں اور ایسے ہی نماز میں سینے پر ہاتھ رکھنے کے معاملہ میں آپ امام شافعی کے پیرو تھے اہلِ حدیث کے معاملہ کو میں اتنا وزنی خیال نہیں کرتا۔ یہ لوگ اب بزرگانِ دین کو اس وقت پہلے کی طرح سخت الفاظ سے یاد نہیں کرتے۔ ان کے مذکورہ بالا غلو نے انہی میں سے مولوی عبداللہ چکڑالوی کو پیدا کیا۔ اہلِ حدیث تو ائمہ دین کی عظمت کے قائل نہ تھے وہ حضرت پیغمبر کی عظمت کو جواب دے بیٹھا مولوی عبداللہ صاحب مدت تک تو حدیث کا درس دیتے رہے لیکن آخر اس نے ایک جماعت کی بنیاد ڈالی۔ جو آج اہل قرآن کہلاتے ہیں۔ جن کے بعض عقائد خطرہ سے خالی نہیں۔ بدقسمتی سے اس جماعت کا ظہور ایک ایسے وقت ہوا۔ جسکے تھوڑی دیر بعد مجدد وقت اس جہان فانی سے رخصت ہو گئے۔ اور اس مسئلہ پر آپ نے

بالتشریح بحث نہ کی۔ اب یہ احمدی جماعت کا فرض ہے۔ کہ وہ اس مسئلہ پر کافی روشنی ڈالے۔ مگر جو کچھ بھی حضرت مرزا صاحب اس موضوع پر لکھ گئے ہیں۔ وہ ہماری رہنمونی کے لئے کافی ہے۔ آپ نے فرمایا۔ کہ حدیث تو قرآن کی شارح ہے۔ خود آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے۔ کہ میرے بعد بہت سے لوگ میرے نام پر حدیثیں وضع کر دینگے۔ وہ میری طرف سے نہ ہونگی۔ اسی ضمن میں حضرت خاتم النّبیینؐ نے فرمایا۔ کہ میں قرآن کا ناسخ نہیں۔ بلکہ قرآن میرے کلام کا ناسخ ہوسکتا ہے۔ ان ارشادات کے بعد معاملہ صاف ہو جاتا ہے۔ ہمارے ہاتھ میں اس وقت خدا کی کتاب موجود ہے آنحضرتؐ نے خود فرمایا ہے کہ جو بات بھی میرے نام پر منسوب ہوئی ہو۔ اور اسے قرآن کے خلاف پاؤ تو وہ میری طرف سے نہیں۔ وہ میں نے نہیں کہی۔ یہی مسلک اہل قرآن اور اہل حدیث کے معاملہ میں حضرت مرزا صاحب نے اختیار کیا۔ اور ہاں اس کے علاوہ ساتھ یہ بھی فرمایا۔ کہ اگر کسی معاملہ میں قرآن خاموش ہو۔ اور مشہور کردہ حدیث میں کوئی امر علم عقل اور اخلاق کے خلاف نہ ہو۔ اُسے بھی قبول کرو۔ یا بہ الفاظ دیگر جو بات بھی حدیث میں از قسم امر معروف ہو۔ اس پر عمل کرو۔ ساتھ یہ بھی فرمایا۔ کہ جو حدیثیں بطور تعامل ہم تک پہنچی ہیں۔ وہ ایک باریک نگاہ میں جو آنحضرتؐ کی قرآن سے ہی مستنبط کردہ نظر آتی ہیں۔ لیکن اگر وہ امور نظریہ میں ہوں اور قرآن اس کے خلاف نہ ہو۔ تو اُسے قبول کرو۔ کیونکہ اُمت مرحومہ کا تعامل بذات خود انکی صحت پر ایک ثبوت ہے۔ اہل قرآن اور اہل حدیث کے فیصلہ کرنے کے لئے حضرت مرزا صاحب کے یہ اصول محکمات کے طور پر کام دے سکتے ہیں۔ میں عنقریب اس امر پر مفصل لکھنے والا ہوں صرف یہاں اسی قدر کہتا ہوں۔ کہ علم تاریخ کے رُو سے حدیث نبوی کی تحقیق ایک بہترین تحقیق ہے۔ لہٰذا جو حدیثیں صحت کے ساتھ ہم تک پہنچیں۔ اور اُن میں وہی ہے۔ جو قرآن کریم سے آنحضرتؐ نے خود مستنباط کیا ہے۔ اور آپ کا فہم اہل قرآن کے فہم سے ہزار ہا درجہ بہتر ہے۔ ایک مُلہم من اللہ ہی اس بات کا اہل ہوتا ہے۔ کہ وہ الہام کی حقیقت کو سمجھے نبی کریم آخری سطاع ہوکر

آئے ہیں۔ مولوی عبد اللہ یا اس کا کوئی پیرو تو اُنکے بمقابل کچھ بھی حقیقت نہیں رکھتے۔ حسرت تو یہ ہے۔ کہ یہ لوگ اپنی محو اہشات کو سامنے رکھ کر حدیث کی بعض باتوں کو اسلئے چھوڑتے ہیں کہ اُنکی نگاہ میں قرآن اُن پر خاموش ہے +

تعلیم قرآن

ان دو امُور بالا کے بعد حضرت مرزا صاحب نے جن باتوں کو اسلام کی اشاعت و استقامت کیلئے ضروری سمجھا۔ ان میں سے سب سے اول تعلیم قرآن تھی۔ گذشتہ دو ڈیڑھ صدیوں میں اسلام نے تین رنگ دیکھے جس نے مسلمانوں کے علم قرآن پر گہرا اثر ڈالا۔ اوّلاً ایک وقت اسلام پر آیا۔ جب ہر طرف **فقہ کا ہی زور تھا**۔ کہیں کہیں تعلیم حدیث بھی ہوتی تھی لیکن قرآن برائے نام نصابی تعلیموں میں رہ گیا تھا۔ اس وقت کے مدارس کے کسی تعلیمی نصاب کو اُٹھا کر دیکھ لیا جائے صرف و نحو منطق۔ معانی۔ کلام اور فقہ کی کتب پر تو زور تھا۔ ایک آدھ حدیث کی کتاب بھی نظر آتی تھی۔ لیکن قرآن کا ترجمہ شاید بطور تبرک پڑھایا جاتا تھا۔ اس زمانے کے بعد حدیث کا دور دورہ شروع ہوا۔ اہل حدیث نے درس میں سے کتب فقہ کو قریب قریب نکال دیا صحاح ستہ اور ان میں سے بھی بخاری مُسلم بالخصوص درس میں دیکھی گئیں لیکن قرآن کریم کی طرف سے قریب قریب وہی اجنبیت رہی۔ اہل حدیث کے بعد حضرت مرزا صاحب کا زمانہ آیا جس نے درس قرآن پر زور دیا۔ قادیان میں بڑا بھاری درس تو ہر روز قرآن شریف کا ہوتا تھا حضرت حکیم **نورُالدین** صاحب قرآن کا درس دیتے تھے۔ اس کے بعد چند طلباء حدیث کے بھی ہر روز آپ سے تعلیم لیتے ہوئے نظر آتے تھے۔ کہیں کہیں فقہ کی کتابیں بھی پڑھی جاتی تھیں۔ لیکن جس بات کا ہر جگہ اور ہر وقت قادیان میں اُس وقت چرچا نظر آتا تھا۔ وہ قرآن کریم تھا۔ قادیان سے باہر احمدی جماعت میں ہر جگہ درسِ قرآن شروع ہو گئے۔ اُٹھتے بیٹھتے قرآن ہی قرآن نظر آنے لگا +

الغرض جس بات کی طرف مجدّد وقت نے خاص کر زور دیا۔ وہ درس قرآن اور تدبّر بالقرآن تھا۔ چنانچہ سید کو مخاطب کرتے ہوئے مرزا صاحب لکھتے ہیں ؎

مفقود شدہ است درس قرآں زاں روز ہجوم ایں بلا ہاست

قرآن کے بعد حضرت مرزا صاحب نے اپنی جماعت کو دعاء کی طرف متوجہ کیا۔ ہر ایک کو تاکید کی۔ کہ وہ اپنے لئے اپنی زبان میں دعا کرے۔ جو مصیبت بھی آئے۔ اس کے لئے مرزا صاحب کو لکھنے سے پہلے خود دعاء کیا کرے۔ میں نے جب کبھی قادیان جا کر کسی معاملہ میں دعا کے لئے عرض کیا۔ تو حضرت نے وعدۂ دعا کے ساتھ یہ بھی فرمایا۔ کہ رات کے دو اڑھائی بجے تم خود دعا کرنا۔ کیونکہ اس وقت میں تمہارے لئے دعا کرونگا۔ دعا قنوت کا چرچا تو اس وقت ایک رسمی امر رہ گیا ہے۔ جیسے وتروں میں پڑھا جاتا ہے۔ لیکن حضرت مرزا صاحب نے آنحضرت صلعم کی اس سنّت کو زندہ کیا۔ مصائب کے وقت ہر نماز میں نماز کے الفاظ ماثورہ کے سوا دعا مانگنے کی تاکید فرمائی اور ان نمازمیں سے خصوصاً سجدہ کو دعا کیلئے زیادہ تر موزوں سمجھا گیا۔ وتروں کے علاوہ ہر نماز میں خصوصاً رکوع کے بعد قیام میں دعائیں مانگی جاتی تھیں۔ اور احمدی لوگ آج بھی کہیں کہیں ایسا کرتے ہیں۔ احمدی لوگ تو آٹھوں پہر دعا مانگنے کیلئے مامور کئے گئے ہیں۔ انھیں نماز کے بعد دعا مانگنے میں کیا تامل ہو سکتا ہے لیکن جس صورت میں کُل کی کُل نماز ہی دعا ہے۔ اور ہم ہر ایک ضرورت کو خدا کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ تو پھر نماز میں سلام پھیرنے کے بعد وہ کونسی دعا باقی رہ جاتی ہے۔ جس کے لئے ہاتھ اٹھائے جائیں یہی وجہ ہے۔ کہ احمدی جماعت سلام پھیرنے کے بعد عموماً ہاتھ نہیں اٹھاتی۔ تو اِلّا اس طریق کے خلاف تو کوئی نہیں میں اس وقت بھی دعا مانگ لیتا ہوں۔ الغرض احمدیوں میں قرآن کے بعد دعا ایک حقیقت ہو گئی۔ ہر احمدی کو دعا میں مصروف دیکھا گیا۔ جس طرح نماز ایک مسلم پر فرض ہے۔ اسکے بعد دعا بھی قریب قریب ضروری سمجھی گئی +

دُعا کے لئے پانچوقتہ نماز کے بعد مرزا صاحب کی طرف سے تحریک [illegible]ش کی گئی۔ اور جیسے کہ میں نے اُوپر عرض کیا۔ اگر انگریزی خواں نوجوانوں کو باقاعدہ تہجّد کسی نے پڑھائی۔ تو وہ حضرت مرزا صاحب نے پڑھائی۔ حضرت صاحب کے وقت میں بہت سے ایسے نوجوان جانتا ہُوں۔ جنہوں نے تہجّد کو سال ہا سال پانچوقتہ نماز کی طرح ادا کیا۔ وہ تہجد کے لئے بیچین ہو جاتے تھے۔ انگریزی خوانوں کی عام لعنت سے جس کے ماتحت یہ لوگ رات کے پہلے حصہ میں دیر تک جاگتے رہتے ہیں۔ پھر سُورج کے نکلنے کے بعد بھی دیر تک سوئے رہتے ہیں۔ احمدی جماعت کے انگریزی خواں اسلئے بچ گئے۔ کہ اُنھیں تہجّد کا فکر ہوتا تھا۔ اور اسلئے جلدی سو جاتے تھے۔ ان امُور کے بعد حضرت صاحب نے اشاعتِ اسلام پر زور دیا۔ لیکن اشاعتِ اسلام کے پہلے آپ نے جماعت کی تعمیر کی فکر کی +

تعمیر قوم کے اصُول

اس غرض کیلئے آپ نے اُن سات اصولوں کو قائم کیا۔ جو قرآن نے سُورہ آل عمراں میں تجویز کئے ہیں:۔

(۱) صحیح علم جس کی بُنیاد الہام الٰہی ہوتا ہے[له]۔ اور قرآن نے صحیح علم کو سمجھنے کے لئے امُور متشابہ پر آیاتِ محکمات کو ترجیح دی۔ گو احمدی لوگ قرآن کو ہی ذریعہ علم سمجھتے

له سورۂ آلِ عمران نے احتیاءِ قوم کی بُنیاد الہام الٰہی پر رکھ کر مسلمانوں کو آگاہ کیا۔ کہ خدا کے الہام یا کسی مُلہم کے الفاظ سمجھنے میں وہ متشابہات کے دھوکے میں نہ پڑیں۔ چنانچہ قرآن کریم نے جو اس سُورہ شریف کے ابتدائی رکوع جناب مسیح کی الُوہیت کی تردید میں لکھے۔ اور پھر اس کے بعد احتیاءِ قومی کے مضمون کو لیا۔ تو یہ ایک جُملہ معترضہ ہے جسمیں یہ دکھلایا گیا ہے۔ کہ عیسائی قوم نے یہی غلطی کی۔ مسیح نے جہاں کہیں اپنے آپ کو خدا کا بیٹا ظاہر کیا۔ وہاں ساتھ ہی کہا۔ کہ خدا ایک ہے اور میں اسکا عاجز بندہ ہوں۔ مسیح کا یہ کلام اُنکی دوسری محکم باتوں کے ماتحت رکھنا چاہیئے۔ لیکن اس متشابہ امر و غلطی میں پڑ گئے وہ مسیح خدا بن گیا یہی مشکل آج قادیانی جماعت کو پڑی ہے۔ جب حضرت مرزا صاحب نے نبوت کاملہ سے بار بار انکار کیا۔ تو آپ کا یہ انکار بمنزلہ آیات محکمات ہے۔ اس کے مقابل آپ کے کلام میں جہاں کہیں بھی لفظ رسول یا نبی تھا وہ بمنزلہ متشابہات تھا۔ جیسے کہ آپ کے اس کہنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ لفظ مجازاً استعمال ہوئے ہیں+

تھے لیکن اس بات میں بھی کوشاں تھے۔ کہ ان میں سے ہر ایک کو الہام و کشف کے ذریعہ مزید علم حاصل ہو۔ یہ راہ دھوکا اور غلطیوں سے خالی نہیں۔ اس سے متنبہ کرنے کے لئے حضرت صاحب نے اپنی کتاب حقیقت الوحی لکھی۔ اور قرآن شریف اور حدیث کو ہر الہام پر ترجیح دی۔ یعنی کسی کا کوئی الہام ہو خواہ ملہم خدا کا ولی کیوں نہ ہو اسے اپنے الہام کو قرآن کے ماتحت رکھنا ہے۔ اور اگر وہ قرآن کے خلاف ہے۔ تو اسے چھوڑ دینا چاہئے سمجھے بعد

(۲) انفاق فی سبیل اللہ (۳) اخوت (۴) اشاعت (۵) ایثار (۶) جہاد (۷) دشمن کے مقابلہ کیلئے ہر وقت تیار رہنا

تعمیر قوم کیلئے سورۂ آلِ عمران میں یہ سات امور بیان کئے گئے ہیں۔ آج چاروں طرف استقلال استقلال کے الفاظ عام زبانوں پر ہیں۔ کوئی نہیں غور کرتا۔ کہ زبان پر لفظ لانے سے حقیقت حاصل نہیں ہوتی۔ آج یہ باتیں مسلمانوں میں نہیں۔ پھر استقلال کس طرح حاصل ہو یاد رہے۔ کہ قرآن کی برکات ان لوگوں سے مختص نہیں جو بطور خود نام نہاد قرآن کے نام لیوا ہیں۔ ہر ایک شخص خواہ مسلم ہو یا غیر مسلم جو بھی قرآن پر چلیگا۔ وہ اسکی برکات سے فیضیاب ہوگا۔ اور وہی ایک حد تک اس کا مسلم اور مومن ہے +

مغربی قوموں کا تو کیا ذکر ہے۔ وہ تو استقلالِ قومی کو خوب سمجھتے ہیں۔ اور اسکے حصول کے لئے کوشاں ہیں۔ لیکن اپنے ملک کے ہندو بھائیوں کو دیکھ لیا جاوے۔ آیا قرآن کی تعلیم کردہ یہ ساتوں باتیں کم و بیش ان میں موجود ہیں یا نہیں۔ آج سے کچھ دن پہلے ہندو وغیروں میں اشاعتِ دین کے قائل حکماً اور مذہباً نہ تھے۔ نہ اُن میں اخوت کا رنگ تھا۔ آج یہ دونوں باتیں سنگھٹن اور شدھی کے نام پر ان میں مسلمانوں سے کہیں زیادہ موجود ہیں۔ انہوں نے ہندو دھرم چھوڑ اسلام کی پیروی کی۔ اور ہم مسلمان ہو کر سو رہے ہیں۔ یہی سات باتیں اس ملک میں ہندو قوم کے تفوّق کا راز ہیں۔ لیکن ہم مسلمانوں کو کیا کہیں قرآن کو رکھتے ہوئے وہ قرآن نہیں دیکھتے۔ انہوں نے قوم بنانے کیلئے قرآن

کو پس پشت کیا۔ اور یورپ کو دیکھا۔ پھر ہندوؤں کی کاسہ لیسی اختیار کی۔ نتیجہ ہُوا۔ سو ظاہر ہے۔ اور تو اور کوئی لیڈر قرآن کو کھول کر ہمیں آج نہیں بتلاتا۔ کہ سُورۃ آل عمران نے حیات قومی کیلئے کن امُور کی تلقین کی ہے۔ مگر یہ کام مجدد وقت کا ہی تھا۔ چنانچہ اُس نے یہ ساتوں کی ساتوں باتیں جماعت میں اپنے وقت پیدا کرنی چاہیں۔ سب سے اول قرآن پر زور دیا۔ اسکے بعد دُعاؤں پر زور دیتے ہُوئے جماعت کو حقیقی علم کیلئے خدا سے طلب ہدایت کا حکم دیا +

الغرض استقلال قومی کی سات اجزا میں سے امر اول الہام تھا۔ انفاق فی سبیل اللہ کے لئے زکوٰۃ پر زور دیا۔ اخوت تو وہ بنائی۔ جو غیر احمدی دُنیا چھوڑ آج خود احمدیوں میں حضرت کے وقت کی اخوت ضرب المثل ہے۔ اشاعت کیلئے بھی احمدی قوم آج ممتاز ہے۔ قوم میں ایثار کی رُوح پیدا کرنے کیلئے آئے دن قوم سے چندے مانگے۔ اور قوم نے خوشی سے دیئے اس معاملہ میں اب بھی احمدی قوم ایک حد تک ممتاز ہے۔ جہاد کی تشریح میں جہاد قلم پر زور دیا۔ اور جس طرح مخالفین اسلام کے حملوں کے مقابلہ کیلئے مجدد وقت نے جماعت کو تیار کیا۔ وہ بھی ظاہر ہے +

میں اس امر کا اعتراف کرتا ہوں۔ کہ آج اخوت کا پہلا رنگ جماعت میں نہیں یہ ساتوں کے سات امُور آج ہم میں کمزور ہو گئے ہیں۔ انشاء اللہ استقلال کے ان سات بنیادی اصولوں پر میں انشاء اللہ ایک مستقل رسالہ بشکل تفسیر سُورۃ آل عمران لکھ کر مُسلم قوم کو دکھلانا چاہتا ہوں کہ جس بات نے عرب جیسی بقول قرآن مُردہ قوم کو زندہ کیا۔ وہ یہی باتیں تھیں۔ اور یہ ساتوں کے سات امور آج ہندو بھائیوں میں موجود ہوتے جاتے ہیں۔ اور خدا کا قانون ہی۔ کہ جو تعلیم قرآن پر چلیگا۔ اس کا خواہ کوئی عقیدہ ہو وہ فائدہ اُٹھائیگا جبتک حضرت مرزا صاحب کے ارشاد کے مطابق ہم قرآن کو ہادی راہ نہ بنا دینگے۔ ہم کامیاب نہ ہونگے وہ الا وہ دن قریب ہے۔ کہ جب مسلمان ہندوؤں کے ہاتھ سے یہاں نسیاً منسیا ہو جائیں۔

یہ اوراق ایک خاص رنگ میں لکھے جا رہے ہیں۔ اسلئے میں یہاں اس مضمون کو چھوڑ کر اصل موضوع کی طرف توجہ کرتا ہوں +

جماعت کی اخوت پر پہلا صدمہ تو ۱۹۱۴ء میں پہنچا جب جماعت کے دو ٹکڑے ہو گئے میں یہاں شکمی تنازعات پر بحث کرنی نہیں چاہتا۔ لیکن ایک امر کی طرف دونوں جماعتوں کو مخاطب کرنا چاہتا ہوں۔ وہ قرآن کریم کو بھی غور سے دیکھ لیں پھر حضرت حبیب خدا کے طرز عمل پر بھی غور کر لیں۔ وہ سمجھ لیں۔ کہ قرآن کریم نے استقلال قوم کے اصول گنائے ہیں اگرچہ چوتھی جگہ ولتکن منکم امۃ یدعون الی الخیر میں اشاعت پر زور دیا ہے۔ تو اس سے پہلے فاصبحتم بنعمتہ اخوانا پر زور دیکر اخوت پر توجہ دلائی ہے یعنی وہی قوم اشاعت کر سکتی ہے جن میں حصول علم آپس اور انفاق فی سبیل اللہ کے بعد اخوت کا رنگ پیدا ہو جائے۔ اور جب تک اخوت کی تکمیل نہ ہوگی تب تک اشاعت ایک امر موہوم ہوگی۔ آج ہم میں سے ہر ایک اشاعت پر فخر کر رہا ہے۔ حالانکہ اخوت کی جڑھ کھوکھلا ہوتی جاتی ہے۔ افسوس تو یہ ہے۔ کہ کل مسلمانوں میں کسی جماعت کو اگر اشاعت اسلام سے شغف ہے۔ تو وہ احمدی جماعت ہے۔ لیکن یہ لوگ نہیں سمجھتے۔ کہ اخوت کیا چیز ہے۔ تم لاکھ اشاعت کرو۔ اور چین ماچین تک اشاعت میں پہنچ جاؤ۔ لیکن اگر تم میں اخوت کمزور ہو چکی ہے۔ تو تمہاری جماعت ناکام ہے۔ اس موقعہ پر میں کل احمدی بھائیوں کی خدمت میں عرض کرتا ہوں۔ کہ تم نے آپس میں جنگ کر کے احمدیت کو کمزور تو کر دیا۔ اور جماعت میں علمبرداری کا شوق کچھ ایسا تم میں پیدا ہو گیا۔ کہ اب تم اسکو چھوڑ بھی نہیں سکتے۔ اور میرے نزدیک اسمیں حرج بھی نہیں۔ اگر ہم ایک امر میں بھی اصولاً اور عملاً متحد ہو جائیں تو ہماری مثال ایک درخت کی ہوگی۔ جس کی شاخیں الگ الگ پھیلتی اور پھولتی ہیں۔ لیکن سب کو جڑھ سے تعلق ہوتا ہے یہی اختلاف ترقی کی روح رواں ہے۔ اور یہی وہ اختلاف ہے جسے نبی کریم

نے رحمت کر کے پکارا ہے میری مراد یہ نہیں کہ سب کا امیر یا خلیفہ بھی ایک ہو ۔ یہ امر اس وقت بجائے فساد ہو گیا ہے ۔ تم امور متحدہ میں ایک ہو جاؤ ۔ ہم اس وقت دو باتوں میں متحد ہیں ۔ ہم حضرت مرزا صاحب کو مسیح موعود مانتے ہیں ۔ ہم سب کے سب اشاعت کے عاشق و خادم ہیں ۔

سولہ برس سے ہم دو ٹکڑوں میں منقسم ہو گئے اور الگ الگ اشاعت اسلام کرنے لگے قادیانی احباب نے الگ مشن جا کر بھی دیکھ لیا ۔ کہ کیا نتیجہ ہوا ۔ میرے اس اصول کی مخالفت بھی کر لی کہ غیر اسلامیوں میں اشاعت کرنے کے وقت فرقی امتیازات کو لانا اشاعت اسلام کے حق میں سم قاتل ہے حالانکہ یہ بات میں نے حضرت حکیم نور الدین صاحب مرحوم کے وقت کہی اور انھوں نے اعتراض نہ کیا ۔ بہر حال قادیانی بھائیوں نے ولایت میں جا کر کہا ۔ کہ احمدی فرقہ دوسرے مسلمانوں سے الگ ہے ۔ اور بالمقابل خواجہ یہی کہتا رہا ۔ کہ اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جس میں کوئی فرقہ نہیں ۔ اور یہ وہ بات ہے ۔ جو خود جناب مرزا صاحب نے تعلیم فرمائی تھی ۔ جیسے کہ میں نے پہلے کہیں لکھا ہے پھر نتیجہ بھی دیکھ لیا +

قادیانی دوستوں نے "ماسٹر پیغمبر (محمد صلعم) اور شاگرد پیغمبر (مرزا صاحب رحمۃ اللہ علیہ) کا فلسفہ بھی انگلستان میں پیش کر کے دیکھ لیا ۔ یہ پچھلا امر ہی انگلستان میں اُن کی ترقی کی روک کا باعث ہو گیا ۔ اس موقعہ پر ایک لطیفہ لکھتا ہوں ۔ قادیانی مبلغین انگلستان میں سے ایک بزرگ نے کچھ سال ہوئے یہ طریق اختیار کیا تھا ۔ کہ اتوار کے دن وہ واٹرلو سٹیشن پر آجاتے (اس سٹیشن سے گاڑی ووکنگ جاتی ہے) اور اس ٹوہ میں رہتے کہ کون لندن سے مسجد ووکنگ کی طرف جا رہا ہے ۔ اگر انھیں کسی ایسے شخص کا پتہ چل جاتا تو اس کے ہمراہ گاڑی میں بیٹھ جاتے ۔ اور ووکنگ تک حضرت مرزا صاحب کی نبوت کی تلقین کرتے ۔ چنانچہ ایکدن ملک بلجیم کی ایک نومسلم خاتون اپنے بچوں کو لیکر ووکنگ آرہی تھی ۔ تو اس کے ساتھ قادیانی مبلغ بھی بیٹھ گئے ۔ اور نبوت مرزا پر زور دینے لگے ۔ خاتون موصوف نے یہ تو انھیں کہا ۔ کہ میں نے تمہاری تحریک کے متعلق سُنا ہوا ہے

گو ووکنگ میں اس کا کوئی خاص چرچا نہیں ہوتا۔ البتہ تم بھی تو نبیؐ کریم کو پیغمبر جانتے ہو۔ تم بھی تو بیان کرتے ہو۔ کہ ہم اُسی کی شریعت پر چلتے ہیں۔ تمہارے نزدیک بھی اخلاق و اعمال کا محمدؐ ہی سر چشمہ ہے۔ بڑی سے بڑی بات جو تمہاری تقریر میں مجھے نظر آئی ہے۔ وہ یہ ہے۔ کہ محمدؐ کے ماتحت ایک چھوٹا پیغمبر پیدا ہُوا۔ ہم تو اب تک بڑے پیغمبر سے عُہدہ برآ نہیں ہُوئے۔ جس وقت ہم بڑے پیغمبر کی تعلیم پر پُورے عامل ہو جائینگے اُس وقت چھوٹے پیغمبر کا بھی خیال کرینگے۔ اس پر گفت گو ختم ہو گئی۔ جن الفاظ کو میں نے جلی قلم سے لکھا ہے۔ وہ قادیانی جماعت کے غور کرنے کے قابل ہیں۔ وہ عملی رنگ کو اپنے سامنے رکھیں۔ آخر اُنھوں نے یہ تو دیکھ لیا۔ کہ جن وجوہ سے اُنھوں نے اوّل جرمن اور بعد میں اپنے امریکن مشن کو بند کیا۔ وہی صورت اُن کے انگلستانی مشن کی ہو رہی ہے بلکہ اگر صحیح روایت ہم تک پہنچی ہے۔ تو قادیانی جماعت کا ایک حصّہ اپنے انگلستانی مشن کے بند کرنے کی فکر میں تھا۔ قادیانیوں کو پہلے یہ بھی خیال تھا۔ کہ تعمیر مسجد کے بعد اشاعت میں ترقی ہوگی۔ وہ بھی بن گئی۔ حضرت میاں صاحب کے انگلستان جانے پر بہت کچھ خیال کیا جاتا تھا۔ چنانچہ ایک بزرگ نے اُس پتھر پر کھڑے ہوکر بھی کچھ الفاظ فرمائے۔ جس پر نورمنڈی کا ولیم فاتح انگلستان اُس ملک پر حملہ کرنے کے وقت جہاز پر سے اُتر کر کھڑا ہوا۔ جس سے فتح انگلستان کی طرف اشارہ تھا۔ اُس بزرگ کے اس فقرے پر بھی آج چھ سال گذر گئے۔ کہ آج کے بعد جو انگلستان میں مسلمان ہو گا۔ وہ اسکے نام پر ہو گا۔ یہ سب کچھ ہو چکا۔ لیکن قادیانی مشن انگلستان نتائج کے لحاظ سے ابھی تک روز اوّل پر ہے۔ میں نے اکثر دیکھا۔ کہ ٹیٹنی کے لوگ انگریزوں کو اسلام کی طرف لاتے رہے لیکن جب کوئی انگریز اُنکے ذریعہ بھی اسلام کے قبول کرنے کے

قریب آیا تو اس نے اپنا اظہار اسلام ووکنگ میں آکر کیا۔ خود پٹنی سے کے بعض نو مسلم اس تحریک سے الگ ہو گئے۔ الغرض مسلم ہے۔ کہ پٹنی مشن کو انگلستان میں خیال کردہ کامیابی نہیں ہوئی۔ اس کا کوئی باعث ہو۔ لیکن ایک وہ بین کی نگاہ میں مذکورہ بالا نو مسلم خاتون بلجیم کا فقرہ بہت ہی معنی خیز ہے۔ اور یہ امر بہی طبعی اور فطرتاً صحیح ہے تم لوگوں کو پہلے محمدؐ سے آشنا کراؤ۔ جس کیلئے ابھی ایک لمبا عرصہ چاہیئے پھر اسکے غلام (حضرت مرزا صاحب) کی کہیں باری آئیگی۔ آج محمدؐ کے چہرہ کو ظالموں نے بدنما سے بدنما رنگوں میں پیش کیا ہوا ہے۔ تم اُن کے اصلی خط و خال کو دنیا میں پیش کرو۔ مرزا صاحب اگر اپنے دعوے میں سچا ہے۔ جیسے کہ ہمارا عقیدہ ہے۔ تو وہ تو اسکی رُوح پاک کی ایک چھوٹی سے چھوٹی عکسی تصویر ہے ؂

مجھے تو بعض وقت دیکھ کر حیرت آتی ہے۔ کہ تعمیر قومیت یا تعمیر مذہب میں جو آنحضرتؐ کر گئے۔ اس کا تو نام تک اس کے بعد کسی بزرگ میں نظر نہیں آتا۔ جو کیا قرآن کی پیروی میں کیا پھر نبوت جدید کیسی۔ اسی طرح میں کہتا ہوں۔ کہ اسلام سے باہر آج ہر مذہب مختلف فرقوں میں منقسم ہے۔ عیسائیت میں قریب پانچصد فرقے موجود ہیں۔ ان فرقوں کے وجود نے خود عیسائیوں کو مذہب سے بیزار کیا ہے۔ وہ اس فرقہ بندی کو لعنت سمجھتے ہیں۔ اس راز کو آرچ بشپ آف کنٹربری نے ۱۹۲۳ء میں سمجھا۔ اور برسٹل کی کانفرنس میں بیان کیا۔ مجھے انگلستان گئے ہوئے صرف چند ماہ گذرے تھے کہ میں جولائی ۱۹۱۳ء میں فرانس کی مذہبی کانفرنس میں شامل ہونے کے لئے بُلایا گیا۔ پہلے دن افتتاحی تقریریں ہوئیں۔ وہ لوگ قریباً موحد عیسائی تھے۔ مگر عیسائی مذہب کی موجودہ شکل سے بکلّی بیزار تھے۔ اور اسمیں اصلاح چاہتے تھے۔ ان میں سے جو بھی پلیٹ فارم پر آیا۔ اس نے یہی کہا کہ صداقت وہیں نہیں تی کسی مذہب کے اندر مختلف فرقوں کا ہونا ہی کہتا ہے۔ کہ وہ صداقت سے خالی ہے۔

اور مُروّجہ عیسائیت میں بڑی لعنت یہی ہے۔ کہ اسمیں اس قدر فرقے ہیں۔ اس فقرہ کو قریباً ہر ایک مقرر نے دُہرایا۔ اور اس پر میرے کان کھڑے ہو گئے۔ اس وقت اچانک میرے سر میں یہ خیال آیا۔ کیا میں ان لوگوں کو اطلاع دوں۔ کہ جس لعنت سے تم نالاں ہو۔ وہ اسلام میں بھی ہے؟ جلسہ کے بعد میں گھر آیا میری رات کُل کی کُل بےچینی میں گذری۔ آخر مجھے حضرت مرزا صاحب کا یہ فرمانا یاد آگیا کہ اسلام میں کوئی فرقہ نہیں۔ جب میں نے دوسرے دن اس فقرے کی روشنی میں کُل اسلامی فرقوں کے مابہ الامتیاز پر غور کیا تو مجھے سب کے سب اسلامی فرقے اصُول میں متحدّ نظر آئے۔ اور مجھے سمجھ آگئی۔ کہ اسلام میں کوئی فرقہ نہیں یہی وجہ ہے۔ کہ میں نے تہہت عیسائیت سے بیزار شدہ عیسائیوں کو دیکھ کر یہ کہا۔ اور میرا اس پر آج بھی ایمان ہے۔ کہ غیر مذہب میں اشاعت اسلام کے وقت فرقوں کی امتیاز میں پڑنا خُود اسلام کیلئے سم قاتل ہے۔ قادیانی بھائیوں نے دیکھ لیا۔ کہ وہ فرقی خصُوصیّت کو پیش کرکے اسلام کو انگلینڈ میں نہیں پھیلا سکتے۔ اور اُن کا عمل بھی غالباً اس وقت یہی ہے۔ لاہوری جماعت نے خُود اعلان کیا ہُوا ہے۔ کہ ممالک خارجہ میں اشاعت کے وقت اُن کا وہی طریق عمل ہے۔ جو ووکنگ میں ہے۔ گو جرمن مشن کا آغاز خصوصاً احمدیت کی تبلیغ کیلئے ہُوا لیکن جلد ہی تجربہ ہمیں کسی اور راہ پر لے آیا۔

اِن حالات پر اب میں کہتا ہُوں۔ کہ جس اخوت کو قرآن نے سورۂ آلِ عمران میں اشاعت پر مقدم رکھا ہے۔ اور اُس کے ایک معنی اتحادِ عمل بھی ہیں تو ہم کیوں اس اتحاد پر عامل نہیں ہوتے۔ مجھے تو شوق نہیں۔ کہ مغرب میں جو مسلمان ہو وہ میری تحریک کے ماتحت ہو۔ بخُدا مجھے کسی نمبرداری کا شوق نہیں ہُوا میں تو میدان جنگ کا سپاہی ہوں۔ الغرض عیسائی دُنیا کسی کے ذریعہ مسلمان ہو۔ اگر

فرقی تنازعات کو ہندوستان میں چھوڑ کر دوسری جگہ اسلام کی تبلیغ اُس طریق پر کرنی ہو۔ جس پر ہمارا ووکنگ میں عمل ہے۔ تو بسم اللہ اتحاد کا فکر کرلو۔ پھر دیکھو گے کہ کیسے مفید نتائج ہوتے ہیں۔ اور قادیان کی گذشتہ پندرہ سالہ محنت بھی بارور ہوتی نظر آئیگی اگر پٹنی میں مسجد نہ بن گئی ہوتی تو میں حضرت میاں صاحب قادیانی کو یہ ادب رائے دیتا کہ مشن کو بند کر دو۔ ہر طرف میں اس تنگ دلی کے بھی مخالف ہوں کہ جسکے ماتحت اپنی اپنی ڈفلی اور اپنا اپنا راگ گایا جاتا ہے۔ اور ایسی جُدائی کو پسند کیا جاتا ہے۔ اور کہا جاتا ہے۔ کہ تُم یہ کرو۔ اور ہم یہ کرینگے۔ یہ غلط راستہ ہے۔ اشاعت کا کام قوّت شوکت کے ساتھ اُسی وقت ہوگا۔ جب سب مُتحد ہو کر کام کرینگے۔ ہماری توجہ ہندوستان کیطرف بہت ہی کم رہی ہے۔ مسیح موعود کے دونوں کاموں کیطرف یہاں ہم نے توجہ نہ کی۔ لیکن اشاعت سے پہلے اخوت یعنی اتحاد کا فکر ہونا چاہئیے۔ احمدیوں میں جو دو جماعتیں بنی تھیں بن گئیں۔ اور باوجود اس تخالف کے خدا کے کام نہ رُکے۔ ہر ایک نے اپنی طاقت آزمائی۔ ہاں اتّحاد سے کئی گنا زیادہ کام ہوتا۔ اور میرے نزدیک تو معاملہ قریب الاختتام ہے۔ جس غرض کیلئے بدقسمتی سے دو ٹکڑے ہوگئے وہ ہو چکے حضرت میاں صاحب نے جو بنانا تھا وہ بن گئے۔ تاریخ عالم نے وہ افعاتِ قدیمی دوہرائے۔ اور حضرت مرزا صاحب کے فرزند اسی قالب میں ڈھل گئے۔ جسمیں اکثر اہل اللہ کی اولادان سے پہلے ڈھل چکی۔ پھر ساری طبیعتیں فلسفی اور حکیم مزاج نہیں ہوتیں۔ وہ ایک خاص رنگ کو دیکھنا چاہتی ہیں ممکن ہے۔ وہ رنگ اُنھیں قادیان میں نظر آرہا ہو۔ البتہ جس مقام پر ایک دُور بین میاں صاحب کو دیکھنا چاہتا تھا۔ اس طرف وہ نہ جا سکے۔ روپیہ۔ پیسہ کچھ چیز نہیں۔ وہ ایسے صاحبزادہ ہیں۔ جس کا ایک نام سلیمان ہے۔ میرے نزدیک تو اُن کی موجودہ آمد سے کہیں زیادہ روپیہ آتا۔ اگر انہیں دوسرا رنگ ہوتا۔ خیر وہ وقت گذر گیا۔ لیکن میں دیکھتا ہوں۔ کہ اگر کُل احمدی لاہوری ہوں یا قادیانی مغرب میں اشاعتِ اسلام کے کام

کیلئے متحد ہو جائیں ۔ تو کسی کا کوئی نقصان بھی نہیں ۔ اس خیال کو سر سے نکال دیا جائے ۔ کہ انگلستان میں کون جماعت کام کر رہی ہے ۔ ہم سب نے اپنی اپنی جگہ جو کرنا تھا کر دیا کم از کم یہ امر تو اب گذشتہ پندرہ سال کے تجربہ نے متحقق کر دیا ۔ کہ تبلیغ فرقہ کو مغرب میں کامیابی نہیں ہوتی ۔ انگلستان میں لاہوری اور قادیانی دونوں کام کر رہے ہیں ۔ اب حالات حاضرہ کے ماتحت حضرت میاں محمود احمد صاحب ٹنی میں علی الاعلان تبلیغ کا ہی طریق اختیار کریں ۔ جو ووکنگ میں ہو رہا ہے ۔ اور اس سے کون انکار کر سکتا ہے ۔ کہ اب بھی ہر جگہ وہی ہو رہا ہے ۔ تو انگلستان میں متحد ہونے کی صورت آسانی سے نکل سکتی ہے ۔ میں یہ نہیں کہتا کہ پٹنی کو بند کر دو ۔ نہ میں کہتا ہوں ۔ کہ پٹنی کو ووکنگ کے ماتحت کیا جائے ۔ قادیان والوں کا روپیہ اُن کو مبارک ہو ۔ وہ جس طرح چاہیں اپنے روپے کو خرچ کریں ۔ ہم اُن سے کوئی حصہ نہیں مانگتے ۔ انگلستان میں تبلیغ اسلام کا مشن تو خاص منشاء ایزدی کے ماتحت بنا ۔ اسکے وجود سے قریباً پچیس سال پہلے اللہ تعالیٰ نے مجدد وقت کو اس کی اطلاع دی ۔ اس کی کامیابی کی امید دلائی ۔ پھر میں دیکھتا ہوں ۔ کہ اس کے وعدے کس طرح پورے ہوئے ۔ اشاعت اسلام کا کام خدا کے فضل سے چلتا ہے ۔ جب تک انسان میں خلوص نیت قائم رہے ۔ اُسے مالی تکلیف نہیں ہوتی ۔ اس لئے مجھے ایک ذرہ بھر بھی خیال نہیں ۔ کہ ووکنگ مشن کی امداد کے لئے کس طرف دیکھا جائے ۔ میں جس بات کی ضرورت کو دیکھتا ہوں ۔ وہ کچھ اور ہے ۔ جب پندرہ سال کے تجربہ نے ثابت کر دیا ۔ کہ مغرب میں بلکہ ہر غیر مسلم حلقہ میں فرقی امتیاز کے ساتھ تبلیغ فائدہ نہ دیگی تو اب مربیان پٹنی اس معاملہ پر بھی غور کریں ۔ جس طرح ۱۹۲۵ء میں انہیں سمجھ آگئی ۔ کہ دیگر مسلمانوں سے اجنبیت اچھی نہیں ۔ اور انہوں نے اپنے تمام جوش و خروش کو چھوڑ کر مصالحت کی طرف قدم بڑھایا

اسی طرح وہ اس سوال پر سوچیں۔ اگر یہ بات مفید نظر آئے۔ تو اس پر مزید غور ہو سکتا ہے ورنہ میری رائے میں ہمارے قادیانی دوستوں کو ایکیڈنٹ پٹی کا مشن بند ہی کرنا پڑیگا۔ یہ میری ایک رائے ہے ممکن ہے۔ کہ غلط ہو۔ لیکن موجودہ حالت کو دیکھ کر میں نے یہ لکھا ہے۔ میں اس بات پر اسلئے زور دیتا ہوں۔ کہ انگلستان میں مشن کا جاری رکھنا احمدیوں کا فرض ہے۔ جس پر میں آگے چل کر کسی قدر تشریح کے ساتھ لکھونگا +

اشاعت و استقلال اسلام

گذشتہ تیس سال سے قومی استقلال کیلئے مسلمان جدوجہد میں پڑے ہوئے ہیں خلافت ہجرت۔ پھر ہندو مسلم اتحاد وغیرہ وغیرہ سب کچھ ہی ہوا۔ لیکن کسی بات میں کامیابی نہ ہوئی۔ اور مجدد کے جن چار فرائض کو میں نے اوپر گنا ہے۔ اس کے تیسرے فرض میں یہ امر آجاتا ہے۔ کہ مجدد وقت اسلام کی قوت وشوکت کا بھی فکر کرے۔ اور اس کا چوتھا فرض یہ ہے۔ کہ وہ قوم کو ان راہوں سے روکے جو نقصان کی راہیں ہیں ان دونوں امور پر بحث کرتا ہوں +

حضرت مرزا صاحب نے اس ضمن میں سب سے اول مسئلہ جہاد کو صاف کیا۔ اس پر سرسید علیہ الرحمۃ بھی اس مسئلہ پر اپنے وقت میں لکھ چکے تھے۔ ہاں حضرت مرزا صاحب نے قرآن کریم کی بین آیات سے دکھایا۔ کہ اشاعت مذہب کی غرض سے اسلام نے کبھی تلوار نہیں اٹھائی۔ جب مخالفین اسلام اسے روئے زمین سے مٹانے پر آمادہ ہو گئے۔ تو تلوار کے حملہ سے بچنے کے لئے اندفاعاً تلوار کو بے نیام کیا گیا۔ آنحضرت صلعم کی زندگی میں اور آپ کے بعد بھی جس قدر جنگ ہوئیں۔ وہ ایسی ہی تھیں۔ یہ مضمون اب کسی تشریح کا محتاج نہیں رہا حضرت مرزا صاحب کی مفصل مستقل تحریرات نے اس مسئلہ کو ثابت کر دیا لیکن آپ نے اس زمانہ کے حالات کو

دیکھ کر یہ بھی فرمایا۔ اور اس بات کی بھی تلقین کی۔ کہ جہادِ تیغ کا اب زمانہ ہی ختم ہو گیا۔
حدیث شریف میں ایک زمانہ کی اطلاع دیگئی ہے۔ کہ جب **جبر کا خاتمہ ہو جائیگا**
حضرت مرزا صاحب نے یہ فرمایا۔ کہ وہ زمانہ یہی ہے۔ آپ نے فرمایا۔ کہ اسلام کو اپنی اشاعت
کے لیئے اب کسی جارحانہ کوشش کی ضرورت نہیں۔ زمانہ وہ آگیا ہے۔ کہ دُنیا کو اسلام
کی خوبیوں کی طرف متوجہ کیا جائے۔ اور وہ توجہ بھی کر لینگے حضرت مرزا صاحبؑ پر
یہ الزام لگایا جاتا ہے۔ کہ آپ نے جہاد کو بند کر دیا۔ یہ کیسا بیجا اعتراض ہے۔ اگر تو جہاد
سے یہ مُراد سمجھی گئی تھی۔ کہ تبلیغ اسلام تلوار کے ذریعہ کی جائے۔ تو اسکی تو خود قرآن
نے اجازت نہیں دی۔ قرآن نے یہ حکم ضرور دیا۔ کہ جو تلوار تمہارے خلاف اُٹھائے
اُسکے خلاف تلوار اُٹھاؤ۔ مرزا صاحب کو کہاں حق پہنچتا تھا۔ کہ اسکے خلاف کچھ کہتے
انھوں نے تو صرف یہ کہا۔ کہ جس جہادِ تیغ کی کبھی اجازت دیگئی ہے۔ اس کے جو لوازمات
تھے۔ وہ اس وقت بدقسمتی سے ہمارے اندر موجود نہیں ہیں۔ اس کیلئے جس شجاعت۔ امانت
دیانت۔ ایثار وغیرہ کی ضرورت ہے۔ اور جن کے سوا کوئی کامیابی نہیں ہو سکتی۔ وہ آج
ہم میں نہیں ہیں۔ اسلیئے **جہاد کا خیال چھوڑ دینا چاہیئے**۔ میں حضرت کی
جہاد کے متعلق **نظم** کو **ضمیمہ** کے طور پر یہاں درج کر دیتا ہوں۔ پھر دیکھ لو۔ کہ
حضرت مرزا صاحب کیا کہتے ہیں۔ ہم میں اس وقت مطلوبات جہاد موجود نہیں۔ اگر وہ ہوتے
تو پھر رونا ہی کس بات کا تھا۔ اسلیئے **مجدد** کی دُور بین نگاہ نے ہمارا فائدہ اسی
میں دیکھا۔ کہ ہم اپنے بچاؤ کیلئے اور اسلام کی عزت قائم رکھنے کیلئے کوئی اور راہ اختیار
کریں۔ اسی طرح حدیث میں ایک اور قوم سے بھی ڈرایا گیا تھا۔ جو آنے والے وقت میں ظاہر
ہوگی۔ حدیث نے اس کا نام یاجوج ماجوج رکھا ہے۔ مُجدّد کی نگاہ نے وہ قومیں بعض
یورپین قوموں میں موجود پائیں۔ اور برطبق حدیث نبوی آپ نے فرمایا۔ کہ یہ جنگجو قومیں
حربی معاملات میں سب پر غالب آجائینگی۔ اور جو مسلمان قوموں سے جنگ کریگا۔ وہ

شکست کھائیگا[۵] آپنے نصیحت فرمایا۔ کہ مسلم سلطنتوں کی بہتری اسی میں ہے۔ کہ وہ ان قوموں سے جنگ آزمائی نہ کرے حضرت کی ان باتوں کو لکھے ہوئے آج تیس سے زیادہ سال ہوئے۔ اس وقت جنگ عظیم چھوڑ جنگ طرابلس کے بھی آثار پیدا نہ ہوئے تھے۔ یہ تو سنہ ۱۹۰۰ء سے پہلے کی باتیں ہیں۔ میں مسلمان بھائیوں کی خدمت میں یہ بات غور کرنے کے لئے کہتا ہوں۔ کہ وہ اس بات کو بھی چھوڑ دیں کہ آیا یہ قومیں یاجوج ماجوج ہیں یا نہیں۔ وہ اس کا بھی خیال نہ کریں۔ کہ جس زمانہ سے حدیث نے ڈرایا۔ یہ وہی زمانہ ہے یا نہیں۔ وہ صرف دو باتوں کو دیکھیں۔ کہ آیا جناب مرزا صاحب سیاسیات کے ماہر تھے یا حربی پیشگوئیاں کر سکتے تھے۔ یا زمانہ نے اسباب ایسے پیدا کر دیئے تھے۔ کہ جب مسلمانوں نے ایسی جنگوں میں شریک ہونا تھا۔ وہ صرف اس امر کو دیکھیں۔ کہ جو مرزا صاحب نے بالفرض علے وجہ الاحتراز ایک پیشینگوئی کے طور پر فرمایا۔ وہ صحیح ہوا یا نہیں ہوا۔ آپنے مسلم قوموں کو روکا۔ کہ تم مغربی قوموں کے مقابل جنگ میں نہ اُترنا۔ اور جو بھی جنگ میں اُتریگا۔ وہ کامیابی کی شکل نہ دیکھیگا ذیل میں ان کا ایک مشہور شعر لکھتا ہوں :-

یہ حکم سن کے بھی جو لڑائی کو جائیگا
وہ کافروں سے سخت ہزیمت اُٹھائیگا

آج وہی نتیجہ نکلا یا نہیں نکلا۔ ایران اور افغانستان جنگ سے الگ ہو گئے مگر ترک جنگ میں جا شریک ہوئے۔ اور شوکت اسلام کو لے ڈوبے۔ حضرت مرزا صاحب نے بحیثیت مجدد اپنے فرض کو ادا کر دیا۔ انھوں نے مسلمانوں کو وقت پر روکا۔ اب اگر ہم میں سے کسی نے اُن کی نصیحت پر کان نہیں دھرا۔ تو ان کا کیا قصور ہے سوال یہ ہے۔ کہ اس معاملہ میں حضرت نے ایک بہترین ناصح مشفق اور حقیقی مجدد کا کام کیا یا نہ کیا :-

[۵] دیکھو نمبر ۱۵ امر نظم جہاد

حضرت مرزا صاحب نے اسلام کی عزت قائم کرنے اور اسکی شوکت بڑھانے کے لئے جو راستہ تجویز کیا لیکن اس کی طرف زمانہ نے توجہ نہ کی یہی ایک راستہ تھا اور ہے۔ کہ جس سے اسلام قائم رہ سکتا ہے۔ آپنے پولیٹیکل قصوں سے الگ ہو کر سب سے اوّل اشاعت اسلام پر زور دیا مسلمانوں کو اطلاع دی۔ کہ زمانہ آگیا ہے۔ جب اسلام دوسرے مذاہب پر مخاطب ہو کر رہیگا۔ اور یہ امر تلوار کے ذریعہ نہ ہو گا بلکہ اسلامی حسن وخوبی کے ذریعہ ہو گا۔ تم اس کی خوبیوں کو زمانہ کے آگے پیش کرو قلم کے ذریعہ اسے دُنیا کے ہر گوشہ تک پہنچا دو۔ اور پھر دیکھو کہ دُنیا اسلام کے آگے جھکتی ہے یا نہیں جھکتی۔ چنانچہ اس امر کے متعلق آپنے قرآن کریم کی اس پیشگوئی پیش کیا ہے۔ ھوالذی ارسل رسولہ بالھدی ودین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ (یعنی اللہ نے ہدایت کے ساتھ رسول بھیجا۔ اور دین حق کے ساتھ بھیجا۔ جو سب دینوں پر غالب آئیگا) حضرت مرزا صاحب نے فرمایا۔ کہ وہ زمانہ یہی ہے۔ اسلام کے اصول سب ادیان پر غالب آجائینگے۔ عیسائیت مر جائیگی۔ مغرب میں اس کا قائمقام اسلام ہو گا۔ لیکن ان امور عالمیہ کے حصول کا ذریعہ قلم ہی ہو گا۔ تلوار نہ ہوگی۔ مسلمانوں کا فرض ہے۔ کہ کل کام چھوڑ کر اشاعت اسلام کی طرف لگ جائیں۔ یہ باتیں آج سے تیس چالیس سال پہلے حضرت مرزا صاحب نے کہیں۔ اور میں دیکھتا ہوں۔ کہ زمانہ انھیں بڑے شدّومد کے ساتھ پورا کر رہا ہے +

سب سے پہلے ہندو قوم کو ہی دیکھ لیا جائے۔ کہ آیا اسلامی اصول وہاں مقبول ہو رہے ہیں یا نہیں۔ پنڈت جے کار (ممبی) نے علے الاعلان کہا۔ کہ اب ہندو قوم زندہ نہیں رہ سکتی۔ جب تک ہم اسلامی اصولوں کو اپنے اندر داخل نہ کریں۔ عملاً یہی عقیدہ آج تقریباً کل لیڈروں کا ہو رہا ہے۔ اس وقت سائنہ اٹھکے ذخیر

اسلامی باتیں ہندو قوم میں داخل ہو چکی ہیں آہستہ آہستہ اَور بھی ہو سکتی ہیں ۔ اگر خُود مسلمانوں کا طریقِ عمل اسلامی ہو ۔ مذہب صرف کلمۂ طیبہ کے پڑھنے کا نام نہیں ۔ مذہب تو طریقِ زندگی ہے ۔ دوسری طرف کلیسوی مذہب قریب قریب مر چکا ہے ۔ ۱۹۱۲ و ۱۳ء میں تقریباً کل انگلستان اتوار کے دن گرجوں میں نظر آتا تھا کھیل وغیرہ کا نام تک نہ تھا ۔ یہ نقشہ تسلط مذہبی میں نے اپنی آنکھ سے وہاں دیکھا آج گرجے خالی ہو گئے ۔ آج سے پندرہ سال پہلے کی دس فیصدی رونق کنیسہ میں نظر نہیں آتی ۔ یہ میں نہیں کہتا ۔ کہ یہ رنگ و کنگ نے کر دکھلایا ۔ بدی کیا اور بدی کا شور با کیا ۔ گذشتہ پچاس ساٹھ سال سے واقعات خُود بخود اندر ہی اندر کام کر رہے تھے ۔ کلیسیاء اندر ہی اندر کھوکھلا ہو رہا تھا لیکن قضا و قدر نے اس عمارت کے گرنے کا وقت وہ مقرر کیا ہُوا تھا جب **مُجدّد کا کوئی بروز لندن میں جا کر سفید پرندے پکڑے** ۔ حدیث نبوی میں آیا ہے ۔ کہ دُنیا کی کوئی طاقت دجال کو مار نہ سکیگی ۔ وہ خُود بخود نمک کی طرح گل جائیگا ۔ جیسے پانی میں نمک گل جاتا ہے اور خدا جانتا ہے ۔ کہ میں نے اپنی آنکھ سے دجال کو پانی میں گلتے ہوئے دیکھا نہ معلوم **ینابیع المسیحیّت** کی اشاعت نے کیا سحر آفرینی کی ۔ اسکی تاریخ اشاعت کے ساتھ ہی در و دیوار سے آواز آنے لگی ۔ کہ عیسائیت تو سُورج پرستی ہے اور متھرا کا مذہب ہے ۔ باتیں تو جو میں نے اس کتاب میں لکھیں ۔ وہ کم و بیش بعض علماء کلیسیاء کو پہلے سے معلوم تھیں لیکن وہ کسی مصلحت سے اُنھیں شائع کرنا پسند نہ کرتے تھے ۔ جس وقت میری تصنیف نکلی ۔ تو اُنھوں نے دیکھا ۔ کہ جن لوگوں سے بات چھپانی تھی ۔ اُن کو تو علم ہو چکا ہے ۔ اب کیوں نہ کلیسیہ کو اس سے پاک کیا جائے چنانچہ عیسائیت کے خلاف ہمارا یہی **علم کلام** خُود جدید فرقہ عیسائی یعنے مارٹونسٹوں کی امداد سے سیلاب کی طرح کُل یُورپ پر چھا گیا ۔ میری کتاب کے تو

تین اڈیشن ۱۹۲۲ء سے آج تک نکلے لیکن اس موضوع پر ہزار ہا قلمیں اُٹھیں اور ایک سات سال کے اندر جو جو باتیں میں نے لکھیں ۔ وہ آج مغربی دنیا میں قریب قریب امور مثبتہ ہو گئیں ۔ یہاں میں چند باتیں لکھتا ہوں جو موڈرنسٹ علماء مثلاً بشپ برنگھم ۔ بشپ مانچسٹر بشپ گود ۔ بشپ کیمبرج اور ڈین سینٹ پال اور ڈین کارلائل نے نہایت فصاحت اور شدومد سے لکھیں اور کہا گیا ۔ کہ اصل تعلیم عیسائیت بھی یہی ہے +

(الف) مسیح نہ خدا ہے نہ ابنِ خدا ۔ مسیح میں وہی رنگ الوہیت کا ہے ۔ جو خاصانِ خدا میں پیدا کرتا ہے ۔ وہ اخلاقِ اللہ کے مظہر بن کر آتے ہیں (ب) انجیل توریت محرّف ہو چکی ہے ۔ اور کثرت سے انسانی باتیں اس میں آملی ہیں (ج) نجاتِ اُخروی اعمال پر منحصر ہے ۔ اور کفارہ کی کوئی حقیقت نہیں (د) ہر انسان معصوم فطرت لے کر آتا ہے ۔ اور گناہِ ارثی کوئی چیز نہیں (ہ) جنت کوئی لوکل چیز نہیں بہشت دوزخ انسان کی آئندہ رُوحانی حالتیں ہیں ۔ نہ کوئی ایسی جگہ ہے ۔ کہ جس کا نام بہشت رکھا جائے ۔ اور نہ کوئی خاص قید خانہ ہے ۔ کہ جس کا نام دوزخ رکھا جائے ۔ اسکے علاوہ چند اور امور بھی ہیں دیکھ لیا جائے ۔ کہ آج سے کچھ عرصہ پہلے ان باتوں کا نام عیسائیت میں نہ تھا ۔ اور یہ وہی باتیں تھیں جن کو سب سے اول اسلام نے عیسائی مذہب کے متعلق بیان کیا ۔ پھر انھیں امور پر بالتفصیل میں نے ہزاروں صفحے لکھ دیئے ۔ لندن کے چرچ ٹائمز نے ان امور[۱] کا تذکرہ کرتے ہوئے کیا سچی بات لکھی ۔ کہ یہ تو وہی باتیں ہیں ۔ جو ووکنگ کے لوگ کہا کرتے ہیں ۔ انہی دنوں میں ایک اور عیسائی اخبار نے لکھا ۔ کہ ہم تو اس دن کے منتظر ہیں ۔ کہ جب **دلت خواجہ برمنگھم اور بشپ کمال الدین** مل کر نماز پڑھینگے ۔ میرے نزدیک تو اعتقادی رنگ میں یہ بات پوری ہو چکی ۔

---

۱ دیکھو اسلامک ریویو ستمبر ۱۹۲۵ء +

ہاں جب خدا چاہیگا ۔ تو ظاہرہ طور پر بھی یہ بات پُوری ہو جائیگی ۔ آج برابر چار سال سے میں وقت کی تلاش میں ہوں ۔ کہ جب سینٹ پال کتھیڈرل کے صدرِ اعظم ڈین انجی اور بشپ بارنس کو کھُلی چھٹی کے ذریعہ مخاطب کروں ۔ کہ تمہیں اب پیغام قرآن کے قبول کرنے میں کیا تامّل ہے ۔ تُم مان چُکے ہو ۔ کہ کلیسیائی کے اندر یہ غلط عقائد پانچویں صدی میں آ چُکے تھے ۔ لہٰذا اُن کی اصلاح تو سُنّت اللہ کے مطابق چھٹی ساتویں صدی میں ہو جانی چاہئیے تھی ۔ نہ کہ خدا تعالےٰ غلط عقاید کے پھیلنے کے بعد پندرہ سو برس تک خاموش رہتا ۔ اور آج موڈرنسٹوں کو عیسائیت کی اصلاح پر مامور کرتا ۔ باتیں تو تُم لوگوں نے وہی اختیار کی ہیں ۔ جو قرآن نے فرمائی ہیں ۔ پھر اصلاح تو قرآن نے کی ہے تمہارا تو فرض ہے ۔ کہ پیغمبر عربی کو صرف اس ایک بات کیلئے خدا کا مُرسل مان لیتے ؛

مَیں اوّل تو اپنی جماعت کو اور اُس کے بعد کُل مسلمانوں کی خدمت میں عرض کرتا ہوں ۔ کہ یورپ میں اسلام پھیلانے کا ایک یہ بھی راستہ ہے ۔ نہ معلوم اللہ تعالےٰ مجھے اس کام کیلئے کب صحت عطا کریگا ۔ کیوں اس کام کو ابھی نہ کیا جائے ۔ اس کیلئے اسلامک ریویو میں کافی مواد موجود ہے ۔ کسی اہل قلم نے تو اُسے جمع کرنا ہے ؛ میرے نزدیک تو ہندو عیسائیوں کی یہ موجودہ مذہبی حالت اسبات کا کافی ثبوت ہے ۔ کہ لیظہرہٗ علی الدین کلہ کا وقت ہو چکا ہے ۔ کھُلے طور سے لوگ حلقہ بگوشِ اسلام ہوں نہ ہوں لیکن اصُولِ اسلام ہر جگہ اور ہر ملت میں مقبول ہو رہے ہیں ! ور لوگوں پر اپنا سکّہ جما رہے ہیں ؛

حضرت مرزا صاحب نے یہ تو صاف طور پر لکھا ہے ۔ کہ اسلام کی آیندہ ترقی صرف ایک اشاعت اسلام سے وابستہ ہے ! ور آج مختلف تجارب کے بعد عالم طور پر مسلم بھائی اس طرف آ رہے ہیں لیکن مرزا صاحب کی تحریر سے یہ بھی نظر آتا ہے ۔ کہ آپ مغربی عیسائی قوموں میں

تبلیغ اسلام کو پسند کرتے ہیں۔ اور ممالک مغربیہ میں سے آپ نے انگلستان کو خاص طور پر ..... اپنی کتاب نُورُ الحق میں نہایت وضاحت سے ساتھ لکھا ہے۔ کہ انگلستان کے اُمرا بیضۂ اسلام ہیں۔ وہاں کے زعما مذہب کلیسیاء سے بیزار ہو چکے ہیں مرزا صاحب اپنی جماعت کو خاص تاکید کرتے ہیں۔ کہ وہ انگلستان کو بغرض تبلیغ جائیں۔ بلکہ یہاں تک لکھ دیا۔ کہ جو انگلستان میں تبلیغ اسلام کرتا ہُوا مریگا وہ صلحاء و اتقیا میں سے ہوگا آپ نے انہی کے قریب کتابیں لکھیں۔ علے العموم آپ کا اشاعت اسلام پر زور رہا مغرب کی طرف آپ نے خاص توجہ دلائی۔ لیکن اگر مغرب میں سے کسی مُلک کا نام لیا۔ تو انگلستان کا لیا خُود رویا میں آپ پر ظاہر ہُوا۔ کہ انگلستان میں کامیابی ہوگی۔ آپ نے دیکھا۔ کہ آپ لندن میں ہیں۔ آپ وہاں منبر پر بیٹھے ہُوئے وعظ اسلام کر رہے ہیں۔ پھر آپ نے چند سفید پرندے پکڑے۔ جہاں آپ نے اس مکاشفہ کو لکھا۔ وہاں ساتھ ہی آپ نے اس کی تعبیر میں لکھا۔ کہ وہ تو لعدن نہ جائینگے۔ اُن کا کوئی شاگرد لندن میں جاکر تبلیغ اسلام کریگا۔ اور انگریزوں کو مسلمان کریگا۔ آنحضرت صلعم نے بھی دیکھا تھا۔ کہ آپ کے سامنے سفید وسیاہ بھیڑیں آئیں۔ سیاہ بھیڑیں تو کثرت سے آپ کے پاس ہیں لیکن سفید بھیڑوں میں سے کچھ آئیں اور کچھ رُک گئیں۔ لیکن بعد میں سفید بھیڑیں بھی آگئیں انہی سفید بھیڑوں کو۔ جن سے مُراد یُوروپین قومیں تھیں۔ مُجدّد وقت نے کسی مناسبت کے لحاظ سے سفید پرندوں میں دیکھا ممکن ہے۔ کہ انگلستان کے سفید پرندے دُنیا کے مختلف حصص کی طرف پرواز کر کے جائیں۔ اور اسلام کو ساتھ لے جائیں۔ دُنیا کی کُل قوموں میں سے پرندوں کی طرح اپنے گھونسلوں کو چھوڑ کر اگر کوئی قوم دوسری جگہ جا آباد ہوتی ہے۔ تو یہی انگریز ہیں۔ ایسا ہی اگر اللہ تعالے نے چاہے تو لندن ہی اسلامی اشاعت کا مرکز ہو جائے آخر خُدا کے کسی ولی اور خُدا کے مسیح کا جیسے کہ احمدی اصحاب حضرت مرزا صاحب کو تسلیم کر چکے ہیں۔ نفس نفیس لندن میں بر تنگ مکاشفہ جانا کوئی معمولی امر نہیں۔ اوّل تو میں

کُل اصحاب کو کہتا ہوں ۔ کہ مجھے تو یہ علم خُدا تعالیٰ کا دیا ہُوا نظر آتا ہے ۔ جس بات کو قادرِ مُطلق نے جس طرح چاہا موزوں کیا ۔ اب دروازہ کھل گیا مسلمانوں میں سے کوئی بزرگ تبلیغ کے لئے جائے ۔ وہ کسی نام نہاد فرقہ سے تعلق رکھے ۔ اگر وہ فرقی امتیازات کو یہاں چھوڑ کر خدا اور اسکے رسول کی تبلیغ کیلئے وہاں جائیگا ۔ وہ مجھے اپنا سچا خادم پائیگا انگلستان میں تبلیغ اسلام کی طرف توجہ دلا کر حضرت مرزا صاحب نے پولیٹکل رنگ میں مسلمانوں پر احسان عظیم کیا ۔ انگریزوں کا مسلمان ہو جانا نہایت آسان امر ہے بات یہ ہے کہ یورپ کی کوئی قوم مذہب سے اس قدر محبت نہیں رکھتی ۔ جیسے انگریزی قوم رکھتی ہے ۔ انھیں اگر بعض اہل الرائے انگلستان چرچ زدہ کہتے ہیں تو صحیح کہتے ہیں ۔ عیسائیت مر مٹی گرجے اوندھے ہو گئے ۔ لیکن سینکڑوں عبادتگاہیں کھل گئیں ۔ اتوار کو برابر لوگ گرجوں کی بجائے ان جگہوں میں جاتے ہیں ۔ عبادت اور خطبات میں شریک ہوتے ہیں ۔ ہاں اگر بصیرت کی نگاہ سے دیکھا جائے ۔ تو یہ سب کے سب اسلامی رنگ میں رنگین نظر آتے ہیں اگر ہم دس ہزار مسلمان بھی انگلستان میں کر لیں ۔ اور وہاں کے اعلےٰ طبقہ کی توجہ اسلام کی طرف ہے ۔ تو کس قدر جلدی سیاسی اُلجھنوں کا خاتمہ ہو جاتا ہے ۔ ہمارا مسلمان اس سوال پر غور کریں ۔ میں اس معاملہ میں فرقی تفوق کا قائل نہیں ۔ میں تو مغرب میں ہر طرف کلمہ پڑھنے والے دیکھنے چاہتا ہوں ۔

مَیں نے قادیانی برادران کی خدمت میں بھی جو کہنا تھا کہہ دیا ۔ خُلاصہ یہ ہے کہ وہ تبلیغ اسلام میں کم از کم فرقی امتیازات کو چھوڑ دیں ۔ اور علے الاعلان وہی کریں جس پر وہ عملاً مجبور ہوں ۔ حضرت مرزا صاحب کی نبوت کو چھوڑ کر محمد عربی کی نبوت کو مغرب میں قائم کریں ۔ مغرب میں مسلمان پیدا کریں ۔ اور ان کو اپنے فرقہ میں شامل کرنے کی ترغیب نہ دیں ۔ اب مجھے جماعت لاہور کی خدمت میں کچھ عرض کرنا ہے تبلیغی معاملات میں تو ان کا یہی عمل ہے ۔ جو میرا ہے ۔ اور وہ کسی مصلحت سے بھی نہیں رہا ۔ ہم

اسے امر حقہ سمجھ کر کر رہے ہیں۔ آج تک ووکنگ کا انتظام میرے احمدی دوستوں کے ہاتھ میں رہا ہے اب اگر ضرورت وقت نے ووکنگ مشن کو ایک ایسے ٹرسٹ کے ماتحت رکھا ہے جس کے معتمدین اور جس کی منتظم کمیٹی کے ممبر احمدی غیر احمدی سب ہیں۔ تو اس کے یہ معنی نہیں۔ کہ یہ ادارہ ایک جدا ادارہ ہو گیا ہے +

۱۹۱۲ء میں میں وکالت چھوڑ انگلستان گیا۔ میں نے اپنے انگلستان جانے کا علم جہاز کے ٹکٹ خریدنے کے بعد دوستوں اور اپنے کنبہ کو دیا۔ میرا انگلستان جانا کسی جماعت کی طرف سے نہ تھا۔ نہ کسی تجویز کے ماتحت تھا۔ نہ کسی کے روپیہ پر میں وہاں گیا۔ میرا شوق مجھے وہاں لے گیا۔ میں بحیثیت وکیل ایک موکل کی طرف سے انکے ایک پرائیویٹ کام پر گیا۔ وہ کام تو دو تین ماہ کے اندر میں نے ختم کر دیا۔ اور میرے موکل کی یہ خواہش تھی۔ کہ میں فوراً انگلستان سے واپس آ کر ان کے دوسرے کام اپنے ہاتھ میں لوں۔ لیکن میں نے ان کے پہلے کام کو خدا کی طرف سے انگلستان پہنچنے کا ایک سبب سمجھا۔ لہذا میں نے ان کی مزید خدمات سے انکار کیا۔ جو کچھ بطور محنتانہ اس کام کیلئے لیا۔ وہ میں نے اسلام پر ہی خرچ کرنا پسند کیا۔ مشن کو احتیاجات سے بچانے کیلئے ابتدائے ۱۹۱۳ء میں میں نے اسلامک ریویو اپنے سرمایہ سے نکالا۔ اس وقت میں نے یہ بھی پسند نہ کیا۔ کہ میں اس نئے کام پر جسے اس وقت کے اہل الرائے نے ایک فعل مجنون سمجھا عام برادران اسلام چھوڑ اپنی جماعت کا روپیہ بھی خرچ کروں۔ تاکہ میرے اس کام کی ناکامی پر مجھے کسی کے آگے شرمندہ ہونا نہ پڑے +

لیکن اسلامک ریویو کے جاری ہونے پر ہی مسلم بھائیوں کا ہر ایک طبقہ اس کام کی امداد کو اٹھا۔ اسمیں پہلے لبیک کی آواز احمدی احباب لاہور کی طرف سے آئی۔ جنہوں نے بعد میں خصوصاً میری پشت بندی کی۔ ۱۹۱۴ء میں جب میں ہندوستان آیا۔ تو اپنی جماعت کے علاوہ مسلم بھائیوں کو میں نے اس کام کی طرف متوجہ پایا۔ یہ تو

ظاہر ہے۔ کہ ہم احمدیوں نے اشاعت اسلام کو اپنا ایک فریضہ سمجھ رکھا ہے۔ دوسری طرف تقسیم عمل نے اور ہمارے دلی شغف نے اشاعت اسلام کو ہمارا اوڑھنا بچھونا بنا دیا ہے۔ تو جس صورت میں عام مسلمان اس مشن کو چلانے پر آمادہ ہو گئے۔ تو میں نے یہی مناسب سمجھا کہ احمدی روپیہ اشاعت اسلام کی دوسری شاخوں پر زیادہ تر خرچ ہو۔ اور ووکنگ کو دوسرے احباب سنبھالیں چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ احمدی روپیہ جو اشاعت اسلام کی دوسری شاخوں خرچ ہوتا رہا۔ اور ووکنگ مشن کو کل مسلمانوں نے امداد دی ۱۹۱۹ء تک تو یہ کام لاہور کے چند دوستوں کے ہاتھ میں رہا۔ کیونکہ شروع سے ہی میں نے پسند کیا۔ کہ مشن کے آمد و خرچ سے میرا کچھ تعلق نہ ہو ۱۹۱۹ء میں مشن کا مالی انتظام انجمن کے سپرد کر دیا گیا۔ لیکن اس کی تبلیغی پالیسی شروع سے لے کر آج تک میرے ہاتھ میں رہی ہے۔ ۱۹۱۹ء سے پھر گیارہ سال تک یہ مشن انتظاماً انجمن کی ایک کمیٹی کے ہاتھ میں رہا۔ میں عنقریب اس مالی امداد کو بھی اسموار لکھ دونگا جو اس مشن کی ہوئی ہے جس سے نظر آجائیگا۔ کہ بعض نادان جو اس وہم میں ہیں۔ کہ ہم نے یہ کیا اور ہمنے وہ کیا۔ انھیں نظر آجائیگا کہ انھوں نے اپنی جیب سے جو امداد دی۔ اُسے نام نہاد امداد کہنا بھی غلط ہے الغرض میں نے اس امر کو پسند کیا۔ کہ لاہور کی احمدی قوم اشاعت اسلام کے دیگر اداروں کو سنبھالے اور ان پر ووکنگ کا مالی بوجھ بہت کم ہو۔ ۱۹۲۲ء کے بعد انجمن کے اخراجات اور بھی بڑھ گئے۔ اسلئے غالباً ۱۹۲۳ء کے اخیر پر جو انجمن نے ڈیڑھ سال سے مشن کو مالی امداد دینی پسند کی تھی۔ وہ بھی بند کرنی پڑی۔ اس کے ساتھ ہی جرمن مشن کے اخراجات کا قوم پر کچھ ایسا بوجھ آپڑا کہ انجمن نے ووکنگ کے لئے امداد مانگنا بھی چھوڑ دیا۔ جب میں نے دیکھا کہ انجمن نے ہر ایک شاخ کیلئے تو الگ چندہ مانگا۔ اور اگر نہیں مانگا تو مشن کیلئے نہیں مانگا۔ تو مجھے رنج تو ہوا لیکن حالات کے تفحص پر معلوم ہوا۔ کہ اشاعت اسلام کی دوسری ذمہ واریاں انجمن پر بہت بڑھ گئی ہیں۔ حتّٰے کہ اشاعت اسلام کے نام پر بھی جو روپیہ آیا۔ یا بلاد غیر یہ کیلئے بھی جو روپیہ ملا۔ اس کا بھی کوئی حصہ مشن کو نہ مل سکا۔ جن

بھائیوں نے ووکنگ کو سامنے رکھ کر اخیر ۱۹۲۹ء تک انجمن کو امداد دی اور روپیہ بھیجا۔ سکے
متعلق میں صحیح نہیں کہ سکتا۔ کہ وہ مشن پر خرچ ہوا۔ البتہ وہ روپیہ ضائع نہیں گیا۔ وہ اشاعت اسلام
کی کسی اور شاخ پر خرچ ہوا ہوگا۔ آخر انجمن نے وہی روپیہ لگاتا ہے۔ جو ہم اسے دیتے ہیں
انجمن کی ذمہ واریاں دن بدن اور بڑھتی گئیں۔ اور اس کے لئے انجمن کا سرمایہ مکتفی نہ رہا
اور اس کے ذمہ وار ہم احمدی ہیں۔ ہمارا فرض تھا۔ کہ ہم کافی طور سے انجمن کی امداد کرتے۔
۱۹۲۷ء کے شروع میں مشن ہر معنوں میں انجمن کے ہاتھ میں چلا گیا۔ میں تو خطرناک امراض
میں گرفتار ہو گیا۔ میرے دوست ہی مشن کو چلاتے رہے۔ جرمن مشن کی طرح ووکنگ مشن بھی انکی
ایک شاخ ہو گئی۔ لیکن جس حالت میں انجمن خود قرضدار ہو گئی۔ اور اس کا قرضہ دن بدن بڑھتا
گیا۔ تو وہ مشن کو کیسے چلاتی۔ قادیان کا نت آئے دن قصہ سنتے تھے۔ کہ وہاں سہولت سے عملہ کو
تنخواہیں نہیں ملتیں وہی حالت ہر جگہ احمدی قوم کی ہو گئی۔ ۱۹۲۹ء کے آخر میں مجھے
سکرٹری مشن نے اطلاع دی۔ کہ مشن کے خزانہ میں سنو سے بھی کم روپیہ رہ گیا ہے۔ اور دفتر کو
تنخواہ دینے کی بھی گنجائش نہیں۔ خیر یہ مشکل تو ٹال دی گئی۔ لیکن ساتھ ہی مجھے علم ہوا۔ کہ
مشن پر سات ہزار کے قریب اور قرضہ ہے۔ اور یہ قرضہ ووکنگ کا ہے۔ اور یہ قرضہ آہستہ
آہستہ سولہ ہزار ہو گیا۔ اُدھر انجمن تیس ہزار سے اوپر کی قرضدار تھی۔ میں یہ جانتا تھا۔ کہ ان
مالی مصائب کی ذمہ دار ایک حد تک میری بیماری بھی ہے لیکن ساتھ ہی میرے دوستوں کو یہ بھی
سمجھ آگئی۔ کہ خواجہ کے مرنے کے بعد مشن کا کیا حال ہوگا۔ جب اسکی بیماری نے یہ مصیبت ڈالدی
ہے۔ یہ خطرناک سوال میرے سامنے بھی آگیا۔ اسلئے میں نے بھی سوچا کہ اس مشن کو ایک
غیر فرقی ٹرسٹ کے سپرد کر دیا جائے یعنی اس کا تعلق کسی فرقی جماعت سے نہ ہو۔ چنانچہ
جنوری ۱۹۲۹ء میں میں نے یہ تجویز حضرت قبلہ مولوی محمد علی صاحب کے سامنے پیش
کی۔ اول تو میں کوئی کام اُن کی منشاء کے علاوہ نہ کرتا تھا۔ لیکن اس وقت انجمن
کی منشاء کے بغیر حالات مشن کو واپس نہ لے سکتا تھا۔ اور اگر انجمن انکار کر دیتی تو

چارہ کیا تھا لیکن احمدی بزرگ نام کی پرواہ نہیں کرتے وہ کام کی عزت کرتے ہیں حضرت مولوی صاحب نے میری تجویز پر فرمایا کہ حق الامر یہ ہے۔ کہ مشن اگر موجودہ حالت میں رہا تو مر جائیگا۔ اور مشن کی زندگی ایسی تجویز کے رُوبراہ ہونے میں ہے +

آپ نے یہ بھی فرمایا۔ کہ وہ انفارمل طور پر مینجنگ کمیٹی کے سامنے بھی معاملہ پیش کرینگے چنانچہ آپ نے ایسا ہی کیا۔ اور آپ نے اس گفتگو کے دوسرے تیسرے دن مجھے لکھا کہ دوستوں نے اس امر کو پسند کر لیا ہے۔ اب میں کُل مبادی امُور کو طے کر لوں آپ نے یہ بھی لکھا کہ کونسل سے ہمنے ایک فارمل منظوری لینی ہے۔ اسلئے تُم ان لوگوں سے فیصلہ کر چھوڑو۔ جو مسلم لٹریری ٹرسٹ کے ممبر ہیں۔ کیونکہ مسلم لٹریری ٹرسٹ ووکنگ مشن سے بالکُل الگ تھا۔ اور تجویز یہ تھی۔ کہ وہ مشن کے ساتھ شامل کر دیا جائے۔ اور اس کے سرمایہ کو مشن کے سرمایہ میں شامل کیا جائے۔ مجھے آپ نے یہ بھی کہا۔ کہ تم اوقیہ کے روپے کو کیوں اس وقت خرچ نہیں کرتے۔ تو میں نے اُن سے کہا۔ کہ وہ لٹریری ٹرسٹ کا روپیہ ہے اور معتمدین کی اجازت کے بغیر ایک پیسہ تک خرچ نہیں ہو سکتا۔ اس روپیہ سے مشن کو کوئی تعلق نہ تھا جبتک کہ ٹرسٹ مشن میں شامل نہ ہو۔ چنانچہ مولوی صاحب کی اس قرارداد کے بعد میں نے مارچ اپریل ۱۹۲۹ء کو اعلان کر دیا۔ کہ مشن ایک غیر فرقی ٹرسٹ کے ہاتھ میں جائیگا جس سے کسی فرقی جماعت کو تعلق نہ ہوگا۔ کُل مبادی کارروائی ہو چکی ہے۔ فریقین (انجمن اور لٹریری ٹرسٹ) شرائط کو مان چکے ہیں صرف فارمل کارروائی باقی ہے۔ یہ اعلان اُردو انگریزی زبانوں میں کُل ملک میں شائع ہوا + فارمل منظوری کیلئے یہ معاملہ اس انجمن کے سامنے اکتوبر ۱۹۲۹ء میں آیا۔ کونسل نے مشن کا جُدا کرنا تو قبول کر لیا لیکن یہ شرط لگانی چاہی۔ کہ جس قدر ممبر اس وقت انجمن کی طرف سے مشن میں جائیں اُن کا انتخاب ہمیشہ انجمن کے ہاتھ میں ہو یہ ایک ایسی بات تھی۔ جو میری سمجھ میں اصُولاً اعلانات مذکورہ بالا کے خلاف تھی میں نے

بجواب مولوی صاحب کو لکھدیا۔ کہ میں بہ وجوہ بالا تو ایسا نہیں کرسکتا مگر اس پر بھی گلیتہً اُس وقت انجمن کے اختیار میں تھا۔ کہ میری تجویز مانے یا نہ مانے۔ آخر یہ بھی خیال کیا گیا۔ کہ مشن انجمن کو ہی دیدیا جائے۔ اور اگر انجمن مشن کو سنبھال سکے۔ چنانچہ جب حضرت مولوی غلام حسن صاحب نے استصواب کیا۔ کہ خواجہ طیار رہے۔ تو اُن کا جواب یہ تھا۔ کہ ہم مشن کو سنبھال نہیں سکتے۔ یہ آپ کا فرمانا بالکل صحیح تھا۔ بہرحال مشن نازک سے نازک حالت میں واپس ہُؤا۔ ایک طرف سولہ ہزار قرضہ تھا۔ اور خزانہ میں ایک کوڑی نہ تھی۔ دوسری طرف جو افریقہ کی رقم تھی۔ اُسکو ہم ہاتھ لگا نہ سکتے تھے۔ جب تک کہ نیا ٹرسٹ نہ بن جائے۔ لیکن بعض طبائع تو کسی نہ کسی جھگڑے میں لگی رہتی ہیں۔ اس پر حضرت مولوی غلام حسن صاحب نے مجھے پشاور سے لکھا۔ کہ:۔

"میری سمجھ میں نہیں آتا۔ کہ جھگڑا کیوں ہے۔ ووکنگ مشن کے متعلق اُن ارباب انجمن کی اپنی رائے یہی تھی۔ کہ وہ اُس کو سنبھال نہیں سکتے۔ اور یہ رائے صحیح تھی۔ اور اسی بنیاد پر اُس کو الگ کیا گیا"۔

مشن اس وقت ایسے ٹرسٹ کے ماتحت ہے جسمیں ہر قسم کے ممبر ہیں۔ لیکن یہ مشن اُنھیں کے ہاتھوں میں رہیگا۔ جو خُدا کے نزدیک اس کام کے اہل ہونگے۔ کیونکہ خدا کا کام ہے۔ میرے نزدیک احمدی جماعت اشاعت کے کام کے لئے خاص ہو چکی ہے۔ یُوں ووکنگ کا کام کُل مسلمانوں کا کام ہے۔ چونکہ انگلستان میں تبلیغ اسلام کا حضرت مرزا صاحب کے کشف تعلق ہے اسلئے میری دلی تمنا یہ ہے۔ کہ شامل مشن ہو کر یا الگ طور پر لاہور کی جماعت انگریزی قوم کا فکر کرے۔ جرمن مشن نے کچھ ایسی دقتیں پیش کر دی ہیں۔ کہ اس کا حل کرنا خدا کے ہاتھ میں ہے۔ جب خُدا چاہیگا تو یہ دقتیں بھی دُور ہو جائینگی لیکن مغرب

یں اِس وقت تک انگلستان کا ہی مشن ایک ایسا مشن ثابت ہُوا جسمیں کامیابی یقینی ہے۔ اسلئے ہمیں اپنے ہر ایک کام پر اسے ترجیح دینی چاہیئے۔ مَیں نے تو اب بھی چاہا ہے۔ کہ ہمارے بعض اَور دوست اس ٹرسٹ کے ممبر ہو جائیں۔ غرض تو یہ ہے۔ کہ احمدی قوم انگلستان میں اشاعت اسلام کے کام میں حصہ لے۔ مَیں نے اس سوال پر بہت سوچا ہے۔ اور مجھے سمجھ آتی ہے۔ کہ کونسل کی منشاء ایک حد تک پُوری ہو سکتی ہے۔ اگر ہم ڈھائی تین صد روپیہ ماہوار کے درمیان اس کام پر خرچ کریں۔ اگر قوم نے اس طرف توجہ کی۔ اور مَیں پھر کہتا ہوں۔ کہ احمدی قوم کا یہ فرضِ اولین ہے۔ تو مشن ٹرسٹ کے آگے نئی تجویز پھر پیش ہو سکتی ہے +

بہرحال اسلام کی گئی شان و شوکت کا واپس آنا اس وقت صرف اشاعت اسلام پر منحصر ہے۔ ہندو بھائیوں کو بھی اسلام کی طرف لے آنا کوئی مشکل کام نہیں خصوصاً بنگال کے ہندو بھائی اور اُن کے بعد مدراسی مذہب کو اس نگاہ سے نہیں دیکھتے جیسے اِسے آریہ بھائی پنجاب میں دیکھتے ہیں۔ اور ان کے تتبع میں صُوبہ یُو۔ پی کا بھی یہی حال ہے۔ مَیں نے بنگال میں جاکر اور ایسا ہی مدراس میں اعلےٰ طبقہ کے سناتنی دوستوں سے مذہبی گفتگو کی۔ میں نے اُنھیں پنجاب کے مقابل بہت ہی وسیع القلب پایا۔ میری باتیں سن کر وہ متحیر سے رہ گئے۔ اور کہنے لگے کہ ہم تو اسلام کو کچھ اور سمجھے ہوئے تھے اسلام تو انخاد اور تمدن کی جان ہے۔ لیکن ان باتوں سے ہم آجتک آگاہ نہیں ہُوئے تھے اس بیمارک پر میں نے مناسب سمجھا۔ کہ میں قرآن میں سے بعض حصے اُن کو سُناؤں اس پر وہ بہت متاثر ہُوئے +

میری مُراد اس سے یہ ہے۔ کہ میں تو اشاعت مذہب کے معاملہ میں ہندو بھائیوں سے بھی مایوس نہیں۔ البتہ اُن میں اشاعت اسلام کا طریق جو اس وقت تک اختیار کیا گیا ہے۔ وہ قابل تبدیلی ہے لیکن انگلستان میں کامیابی یقیناً ہے واللہ اعلم بالصواب +

احمدی علم کلام

مجدد وقت کا ایک بڑا کام یہ بھی ہوتا ہے کہ وہ ضرورت زمانہ کے مطابق ایک نیا علم کلام پیدا کرے۔ آج مسلم احباب انگریزیت کے توغل سے کچھ ایسے دور چلے گئے ہیں کہ وہ مصطلحات مذہبی سے بھی ناواقف ہو چکے ہیں۔ حتےٰ کہ ہم میں سے بہت تھوڑے ہیں جو علم کلام کے مفہوم سے بھی آشنا ہوں۔ یوں تو علم کلام کی بہت سی شاخیں ہیں۔ معانی، منطق اسی کی فرع ہیں۔ لیکن میں علم کلام کا وہ حصہ لیتا ہوں جسے مذہبی ابحاث میں علی العموم لایا جاتا ہے۔

اس زمانہ نے ایک نیا فلسفہ دیکھا۔ جس کی ابتدا تو حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ مدعی مجددیت کے ایام میں ہوئی۔ چنانچہ آپ نے اسی غرض کے لیے ایک زبردست کتاب حجۃ اللہ البالغۃ لکھی۔ مگر اس فلسفہ کا زور ہمارے زمانہ میں آہوا یونانی فلسفہ کی بنیاد زیادہ تر نظریات پر تھی لیکن جدید فلسفہ اُن نظریات کو پیش کرنے لگا جن کی بنیاد عموماً مشاہدہ و تجربہ ہے مگر یہ کون کہہ سکتا ہے کہ موجودہ نظریوں کی بنیاد بھی محکم ہوتی ہے بعض وقت وہ بھی مغالطہ سے پاک نہیں ہوتے۔ سرسید علیہ الرحمۃ نے اس فلسفہ کے مسلمات کو قبول کر کے اسکے آگے عموماً گردن جھکا دی۔ اور بعض جگہ اسکے تطابق میں قرآن کو بھی معرضِ تحویل میں لایا گیا۔ چونکہ مشہودات ہی اس فلسفہ کی بنیاد ہیں اسلیے جدیدہ علوم نے وجدانی یا عامہ طور پر غیر محسوس اُمور سے انکار کرتے ہوئے مکالمہ الٰہیہ سے بھی انکار کیا۔

حضرت مرزا صاحب علیہ الرحمۃ نے سرسید علیہ الرحمۃ کے بالعکس راستہ اختیار کیا آپنے قرآن کریم کو تحویل سے بچایا۔ آپنے ہر جگہ قرآن کریم کے لفظی معنی لیے۔ پھر اُسکے برخلاف جن غلط نظریات کو فلسفہ جدیدہ نے پیش کیا۔ اُسے عقلیہ طور پر توڑ کر قرآنی حقائق کا تفوق اُن پر

ثابت کیا۔

حضرت مرزا صاحب کی تحریریں یہ کمال ہے کہ آپ نے باریک سے باریک مسائل کو صریح الفہم طریق پر موٹے سے موٹے الفاظ میں بیان کردیا۔ یہی رنگ اُنکے علم کلام میں بھی ہے میں ذیل میں آپکے پیدا کردہ علم کلام میں سے **چند باتوں** کو لکھ دیتا ہوں۔ اُسکے ساتھ وہ باتیں بھی لکھ دیتا ہوں جو آپ کے بعض شاگردوں نے مذاہب دیگر کے مقابل بطور علم کلام پیش کیں۔ لیکن آپ کے شاگردوں نے جو کچھ بھی لکھا یا نئے اصولِ بحث تجویز کیئے وہ سب کے سب حضرت مرزا صاحب کے کلام سے اخذ کردہ ہیں۔ میں یہاں دس اصولوں کو لکھتا ہوں۔ لیکن یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ یہ باتیں خود قرآن کی ہی تعلیم کردہ ہیں ضرورت کے وقت مبلغین اسلام اُنہیں اُس سرچشمۂ حکمت سے نکال لیتے ہیں:۔

(۱) سب سے اول ۱۸۹۳ء میں جناب مرزا صاحب نے ایک نہایت زبردست ہی نہیں بلکہ اچھوتا اصول قائم کیا۔ اُس وقت آپ امرتسر میں عیسائی قوم کے ساتھ سرگرم مباحثہ تھے۔ آپنے مباحثہ کے شروع میں ہی فرمایا کہ خدا تعالیٰ کی کتاب اگر کسی امر کی تعلیم کرے تو اُسکے دلائل بھی خود دے۔ یعنی اپنے دعوے کے ثبوت میں خود ہی دلائل دے۔ مثلاً اگر خدا کی ہستی منوائے تو پھر اُسکی ہستی کے دلائل بھی دے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ خدا کی طرف سے کوئی امر تحکمانہ طور پر تعلیم ہو۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ خدا کی کتاب تو خود خاموش رہے اور اُسکے ماننے والے خدا کے اس نقص کو بطور تکمیل پورا کریں۔ یہ اُصول نہ صرف بداہت حقہ تھی بلکہ بظاہر ہر ایک اہل کتاب کے مفید نظر آتی تھی۔ اسلیئے فریق ثانی نے اس اصول کو جلد مان لیا۔ اُسنے سمجھا کہ عیسائی معتقدات کے ثبوت میں خارجی دلائل تو مشکل سے پیدا ہونگے۔ لیکن آیات انجیل کو اپنے عقائد کے ثبوت میں پیش کر دینا مشکل نہ ہوگا۔ مگر اُسے جلدی سمجھ آ گئی کہ اس اصول کو مان کر مذہب چھوڑ اُن کی کتاب الہامی بھی خاک میں مل گئی۔ اول تو عیسوی عقائد کا پتہ ہی انجیل میں نہیں ملتا۔ اور اگر کوئی بات کھینچ تان کر انجیل سے نکلی بھی تو وہ بذات خود ایک دعوے تھی

مثلاً ابنیت مسیح کے ثبوت میں یہ تو کہہ دیا گیا کہ انجیل نے فلاں فلاں جگہ مسیح کو خدا کا بیٹا کہا ہے۔ لیکن جب بالمقابل انہیں بتلایا گیا کہ یہ تو بذاتِ خود انجیل کا ایک دعوےٰ ہے اور انجیل کا فرض تھا کہ وہ اپنے الفاظ میں ہی مسیح کے ابن اللہ ہونے کے دلائل دے۔ ہم اُسے مان لیں گے تو یہ امر محال ہو گیا۔ چنانچہ جو کچھ انہوں نے لکھا وہ مصادرہ الی المطلوب تھا۔

الغرض جو بات بھی انہوں نے انجیل سے پیش کی وہ بذاتِ خود ایک دعوےٰ تھا اُسکے ثبوت میں انجیل سے وہ کوئی دلیل پیدا نہ کر سکے۔ اگرچہ مرزا صاحب نے اُس وقت تو عیسائیوں کے مقابل اسلامی علم کلام میں اس اصول کو ایزاد کیا۔ لیکن یہ اصول کچھ ایسا جامع ثابت ہوا کہ وہ ہر مذہب کے پرکھنے میں ایک معیارِ صحیح نکلا۔ چنانچہ حضرتؑ کے اس وضع کردہ ایک اصول پر مجھے دوسروں کی مقبولہ کتب سے ایک کتاب بھی ایسی نظر نہیں آتی جو اس مطالبہ کو پورا کرے۔ مثلاً عیسائی۔ یہودی۔ آریہ۔ مسلمان سب کے سب خدا کی ہستی کے قائل ہیں لیکن قرآن کے سوا اس ہستی برتر کے متعلق کسی کتاب نے کوئی دلیل نہیں دی۔ ایسا ہی یہ سب کے سب مذہب حیات بعد الموت اور الہام کے قائل ہیں۔ مسلمانوں کی طرح عیسائی اور یہودی۔ قیامت؛ حشر اجساد۔ اور نبوت کو تسلیم کرتے ہیں۔ یہ باتیں تو ہر مذہب میں بطورِ صداقت مانی گئی ہیں۔ لیکن ان امور کے منوانے کے لیے کسی کتاب نے قرآن کے سوا کوئی دلیل عقلیہ نہیں دی۔ مثلاً ہر ایک نے کہا کہ موت کے بعد ہم پھر زندہ ہونگے۔ لیکن جب دلائل طلب کیے گئے تو قرآن کے سوا کسی کتاب میں کوئی دلیل نظر نہ آئی۔

یہ زمانہ تو دلائل عقلیہ کا ہے۔ اسلئے مسلم دنیا کے علاوہ باقی زمانہ نے اِن امور سے آخر کار انکار کر دیا۔ جناب مرزا صاحب کے اس اصول سے ایک اَور اصول مستنبط کیا گیا۔ جسے میں نے مغرب میں استعمال کیا اور وہ یہ ہے کہ اگر کوئی الہامی کتاب دوسرے مذاہب کے بعض مسلمات کو تسلیم نہ کرے تو اُس کتاب میں ان باتوں سے صریح انکار ہو اور ساتھ ہی تردید میں عقلیہ دلائل بھی دیئے گئے ہوں۔ مثلاً مسلمانوں کی طرح عیسائی اور یہودی تناسخ اور قدامت مادہ کے

قائل نہیں۔لیکن ان باتوں کا ذکر تک توانجیل، تورات میں نہیں۔انکی تردید کا ہونا توامر دیگر ہے بالمقابل قرآن کریم نے نہ صرف ان عقائد باطلہ کا ذکر کیا۔بلکہ انکی تردید میں دلائل عقلیہ بھی دیئے بالمقابل اگر تناسخ اور قدامتِ مادہ کے ماننے والوں سے مطالبہ کیا جائے کہ وہ وید میں سے ان عقائد کے ثبوت میں دلائل دیں تو وہ بھی ایسا نہیں کرسکتے۔الغرض مرزا صاحبؒ کا یہ اصول کچھ اس قسم کا مضبوط ہے کہ اسکے مقابل کوئی متدعویہ الہامی کتاب کھڑی نہیں ہوسکتی۔اور اس زمانہ دلائل و منطق میں اس اصول سے کون انکار کرسکتا ہے۔

(۲) آپنے دوسرا اصول یہ باندھا کہ خدا کی کتاب وہی ہوسکتی ہے جسمیں ہر ضرورت انسانی کا علاج ہو۔وہ سب فطری تقاضات کو سامنے رکھے اور انہیں پورا کرے۔یعنی خدا کی کتاب فطرت انسانی کی اصلاح کے لئے آئے، نہ یہ کہ مہلک فطرت ہو۔اس مطالبہ کو بھی قرآن کریم کے سوا کوئی کتاب پورا نہیں کرتی۔بلکہ عیسائی عقائد اسلیئے اب مانے نہیں جاتے کہ وہ مہلک فطرت ہیں۔

(۳) ایک اور اصول حضرتؒ نے یہ باندھا کہ مذہب اگر تربیت انسانی کے لیے آتا ہے تو اُس کتاب میں کل انسانی جذبات کی تربیت و تعدیل کا سامان ہو"۔اسکی تشریح میں جو کچھ آپنے لکھا اور جس فصاحت سے لکھا وہ اپنی نظیر آپ ہی ہے۔آپنے تو اس امر میں دراصل علم اخلاق کا ایک دریا بہادیا۔اور میرے نزدیک یہ وہ کام کیا ہے جو ایک مجدد کے شایاں تھا آپنے فرمایا کہ انسان کا نفس حیوانی جذبات کا مجموعہ ہے جو جذبات فرداً فرداً تو مختلف حیوانات میں بھی ہوتے ہیں لیکن وہ کل انسان میں آجمع ہوئے۔وہ حالت پیدائش کے وقت اپنی حالتِ طبعی میں ہوتے ہیں جس طرح وہ حیوانات میں پائے جاتے ہیں۔مذہب کا یہ کام نہیں کہ انکو ذبح کرے کیونکہ سب کے سب جذبات عطیہ الٰہی ہیں۔وہ توکسی محل و قوع کے لئے ہوتے ہیں ہر ایک کا محل استعمال الگ الگ ہوتا ہے۔کتاب اللہ کا فرض ہے کہ اول وہ ان سب جذبات کے تعدیل میں لانے کی تعلیم دے۔اسی کا نام تکمیل نفس ہے۔پھر ان کا محل و موقع تبلائے۔کیونکہ یہی جذبات اعتدال میں آکر جب اپنے اپنے محل و موقع پر استعمال ہوتے ہیں تو انکا نام اخلاق حسنہ

ہوجاتا ہے۔ مرزا صاحب نے ان طبعی جذبات کے محل موزوں پر استعمال کرنے کا نام خُلق رکھا پھر فرمایا کہ یہی اخلاق جب ایثار کے رنگ میں آکر خلق اللہ کی خدمت میں لگ جاتے ہیں تو انسان میں روحانیت کا رنگ پیدا ہوجاتا ہے۔

(۴) آپ نے فرمایا کہ مذہب الٰہیہ انہی جذبات کو اخلاق اور پھر روحانیات میں منتقل کرنے کا نام ہے۔ محض رسمیات کے مجموعہ کا نام مذہب نہیں ہوتا۔ اگر خدا کی پرستش کا نام مذہب ہے تو وہ پرستش بھی تعمیر اخلاق کے لئے ہونی چاہئیے۔ مثلاً قرآن مجید نے جس اللہ کو منوایا اسکے سو شیؤں (صفات) کو ہمارے سامنے پیش کیا۔ انہیں کا نام اخلاق الٰہیہ ہیں۔ انکے ننانوے نام تو حدیث میں آئے جو قرآن سے لئے گئے لیکن قرآن نے ایک نام اُسکا رب بھی رکھا ہے۔ اُن اخلاقِ الٰہیہ میں متخلق ہونے کا نام قرآن نے مذہب کہا (ومن احسن صبغۃ) وہ اخلاقِ الٰہیہ دراصل ایک کامل اور ارفع انسان کے اخلاق ہیں۔ اور ان کی ضرورت مذہباً ہی نہیں بلکہ ہر جگہ ہے۔ ان اخلاق پر علی وجہ التجرد تو ایک دہریہ بھی حرف نہیں لاسکتا۔ ایک لا مذہب بھی اُنہیں پورا انسانیت سمجھے گا۔ حضرت نے کہا کہ خدا کی کتاب نہ صرف عبادت الٰہیہ کا یہ طریق بتلائے بلکہ ان اخلاق کے پیدا کرنے کا راستہ بھی بتلائے اسی امر کا نام شریعت اسلامی ہے۔ یہ امر بھی قرآن کریم کے سوا کسی کتاب میں نظر نہیں آتا۔ قرآن نے ان اخلاق کی تشریح میں صحیفہ قدرت کی طرف بھی اپیل کی ہے۔

(۵) ان اصول (نمبر ۳ و ۴) کی تشریح میں حضرت مرزا صاحب نے نبی کامل کیلئے یہ شرط لگا دی کہ اُسکی زندگی میں اس قسم کے مواقع پیدا ہوجائیں کہ جنکے ماتحت یہ سارے اخلاق ظاہر ہوں والّا اخلاق منفیہ کچھ چیز نہیں یعنی اس قسم کا وعظ کرنا کہ فلاں فلاں چیز کرو یا نہ کرو۔ وعظ کے اخلاق منفیہ میں داخل ہوسکتے ہیں لیکن حقیقی خلق یہ ہے کہ وہ اسے ظہور بھی پائیں۔ مثلاً کسی انسان کے اردگرد امور ناجائز کی تحریکات ہوں۔ ہمیں بدی کرنے کی طاقت بھی ہو وہ اس فعل بد کو دوسروں کی نگاہ سے چھپا بھی سکے۔ اسپر وہ بدی نہ کرے تو وہ باخلق سمجھا جائیگا جیسے کہ حضرت یوسفؑ نے ایک مصری عورت کے مقابل اپنی عصمت کو قائم رکھا۔ ایسا ہی مصیبت کیوقت غالب دشمن کے مقابل اُسے زبانی معاف

کر دینا کوئی خوبی نہیں۔ عفو حقیقی اُسوقت ظاہر ہوتا ہے۔ جب انسان کو اذیت پہنچے۔ وہ اُس اذیت پر صبر کرے۔ پھر اُس پر وہ وقت بھی آجائے کہ جب اُسکے دشمن اُسکے قدموں میں ہوں۔ اُسمیں انتقام کی طاقت بھی ہو لیکن وہ معاف کردے۔ اس قسم کے خُلق عظیم کا مظہر صرف خاتم النبیین (صلی اللہ علیہ وسلم) ہی ہیں۔

(۶) مرزا صاحب نے فرمایا کہ جسم سے کوئی الگ چیز روح نہیں بلکہ حیوانی جذبات تعدیل میں آکر جب انسان کے نفس کو حالت مطمئنہ تک پہنچا دیتے ہیں تو اس حالت میں انسان کے اندر وہ کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ جسکا نام روح ہے۔ روح کی پیدائش اخلاق فاضلہ سے ہوتی ہے جو بذاتِ خود جذباتِ حیوانیہ سے پیدا ہوتے ہیں اور جذبات کی پیدائش جسم سے ہوتی ہے گویا روح جسم کا ایک بالغ بچہ ہے۔ روح اور جسم کی بحث قدیم الایام سے اسلامی علم کلام میں چلی آتی ہے۔ لیکن قرآن کی تعلیم جیسا کہ سورۃ المؤمنون سے پایا جاتا ہے یہی ہے۔ مرزا صاحب نے ان امور کو ضیافت طبع کے طور پر نہیں لکھا بلکہ یہ وہ بنیادی اصول ہے جس سے ایک طرف عیسائیت اور دوسری طرف تناسخ اور قدامت مادہ وغیرہ کی بنیاد تک ہل جاتی ہے میں نے مفصل طور پر اپنی انگریزی تصنیفات میں یہ بحثیں کی ہیں۔

(۷) انسان ایک پاک اور بالقویٰ مکمل فطرت لیکر آیا ہے۔ اس فطرت کی تربیت کے لیے مذہب آتا ہے۔ یہ فطرت ناقص نہیں ہوتی۔ اس فلسفہ کی بنیاد تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک مشہور حدیث ہی۔ لیکن یہ وہ فلسفہ ہے کہ جو مسئلہ گناہ ارثی کو باطل ٹھیرا کر عیسائیت کو بیخ و بن سے اکھیڑ دیتا ہے۔ اسیطرح اس فلسفہ سے تناسخ کے عقیدہ میں بھی تزلزل پیدا ہو جاتا ہے۔ جب ہر انسان فطرۃ سلیمہ لیکر دنیا میں آتا ہے تو سابق جنم کے تاثرات کہاں گئے۔ حضرت کے خدام نے اس فلسفہ کو بھی مفصل لکھا۔ اور عیسائیت کے خلاف یہ تو ایک ایسا حربہ مغرب میں استعمال ہوا کہ اُسکی ضرب نے کلیسیت کو چکنا چور کر دیا۔ قربان جاؤں حضرت خاتم النبیین ؐ کے کہ کس طرح وہ عام فہم الفاظ اور ساتھ ہی سریع الفہم طریق پر ایک اصول تعلیم کرتا ہے جو مذاہب باطلہ کے مضبوط قلعوں کو توڑ دیتا ہے۔

(۸) یہ امر بھی قرآن کا ہی تعلیم کردہ ہے۔ اور میں نے تو اسے ایک فیصلہ کن دلیل کی شکل میں مغرب میں استعمال کیا۔ قرآن نے اِس امر کو بہت ہی واضح طور پر لکھا ہے لیکن مسلم طبائع اِس سے کچھ ایسی اجنبی ہوگئیں کہ جب حضرت مرزا صاحبؒ نے اِس بات کو پیغامِ صلح میں لکھا تو اُسپر سخت مخالفت ہوئی۔ وہ یہ ہے کہ دنیا کی کوئی قوم خدا کے ہادی یا رسول کی بعثت سے محروم نہیں رہی ہر ایک قوم کو مذہب حقہ خدا کی طرف سے ملا۔ لیکن بعد میں انسانوں نے اختلاف پیدا کر لیا۔ اور مذہب حقہ میں آمیزش کر دی۔ اس اُصول کو حضرتؒ نے اپنی وفات سے چند دن پہلے بیان کیا۔ میں نے دیکھا کہ جہاں میں نے مخالفین اسلام کے سامنے اِس بات پر زور دیا اُن کی مخالفت نصف سے زیادہ کم ہوگئی۔ یورپ میں خاصکر اس تعلیم نے اسلام کی وسعت قلبی کو قائم کیا۔ اور اُنکی نگاہ میں اسلام کا تفوق پیدا ہوا۔ حالانکہ یہ وہ اصول ہے کہ جس کو مان کر نبوت محمدؐ پر ایمان لانا۔ لوازمات سے ہو جاتا ہے۔ جب ہر قوم کو خدا کی طرف سے ہدایت ملی۔ اور ہم نے ہر دوسری قوم کے نبی کو ہادی مان لیا۔ اور اس طرح خدا کی طرف سے تعلیم کا آنا ایک امر ضروری ہوگیا تو پھر جب جناب مسیحؑ کے بعد دنیا کی کل کی کل کتب الٰہیہ اصلی شکل و صورت میں نہ رہیں اور اب تو اُن کا محرّف ہونا سب نے مان لیا تو کیا وجہ ہے کہ خدا کی طرف سے کوئی نئی تعلیم دوبارہ نہ آئے، وہ قرآن کی شکل میں آئی اور قرآن اسلیئے خاتم الکتب ہے کہ وہ آجتک محفوظ ہے۔ یہ ایک سیدھا فلسفہ ہے اور قرآن نے بطور دلیل استعمال کیا ہے کہ یا تو پرانی کتب میں سے کوئی کتاب آنے والوں کو ملے یا کوئی نئی کتاب آئے۔

(۹) مرزا صاحبؒ نے ایک موٹا گر یہ بتلایا کہ تم ہر ایک مذہب کے اصول کو علی وجہ التجرد نہ دیکھو بلکہ اُسکی تنقیح و تجزیہ کرو۔ اُس اُصول کے اثر کو روزانہ اعمال پر دیکھو۔ اُسکا اثر زندگی پر دیکھو۔ پھر اگر دیکھو کہ اسکا کیا نتیجہ ہے۔ اگر کوئی اصول عملاً مفید ثابت ہو تو وہ قابل قبول ہے ورنہ وہ ماننے کے قابل نہیں۔ مثلاً مسئلہ تناسخ کے رو سے ہمارا ہر ایک عمل کسی گزشتہ عمل کے ماتحت ہوتا ہے۔ گویا جو بھی ہم کرتے ہیں وہ مشین کی طرح کرتے ہیں۔ ہم اسپر مجبور رہیں

جو ہم سے ہونا ہے وہ پہلے ہی طے ہو چکا ہے۔ اسکا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ ہم کوئی نئی نیکی نہ کر سکیں اور نہ بدی سے بچ سکتے ہیں۔ نہ کوئی نئی ترقی ہو سکتی ہے کیونکہ یہ سب کچھ پچھلے جنم کے آثار و اظلال ہیں۔ مسئلہ کفارہ اسی طرح ہر خوبی و ترقی کو روکتا ہے۔ مثلاً بیماریاں اگر کسی گزشتہ جنم کی بدعملی کا نتیجہ ہیں۔ تو وہ اس بدی کے تناسب پر ہی کر رہیں گے پھر کیوں علاج کیا جائے۔ کیوں علم طب کو فروغ دیا جائے۔ تناسخ کے ماننے پر اس قسم کا جمود ایک ضرورت منطقیہ ہے۔ اسیطرح جب کفارہ پر ہی نجات منحصر ہے تو کسی حسن اعمال کی کیا ضرورت ہے۔ الغرض اس نویں اصول کے ماتحت ہمیں اُسی عقیدہ کو تسلیم کرنا چاہیئے جو عمل میں آکر مفید ثابت ہو سکے۔

(۱۰) عیسائیت کے خلاف جو یہ دسواں اصول پیدا ہوا۔ وہ نہ صرف اپنی نوعیت میں نیا ہی تھا بلکہ اُسنے اس مذہب کا ہی خاتمہ کر دیا۔ یہ بیان کیا گیا کہ مذہب کلیسوی کی کوئی تعلیم۔ کوئی عقیدہ، کوئی روایت، کوئی رسم عبادت حتے کہ مصطلحاتِ کلیسیا تک بھی ان سب میں ایک امر بھی ایسا نہیں جو قدیمی کفار کے مذاہب سے مسروقہ نہ ہو۔

اس عشرہ کاملہ کے بیان کرنیکے بعد میں مختصراً عرض کرتا ہوں کہ جہاں کہیں میں گیا اور جو سوال بھی مجھپر مذہبی رنگ میں ہوا۔ میں نے ایک منٹ کے لیئے بھی جواب میں تامل نہیں کیا۔ اور مغرب میں تو ہر لکچر کے بعد سلسلہ سوال و جواب شروع ہو جاتا ہے۔ اسکی وجہ تعلیم حضرت مسیحؑ کہ مغربی دنیا نے اور اسکے بعد مصری دوستوں نے جو اعتراض بھی کرنا چاہا وہ ابھی انکے منہ میں ہی ہوتا تھا تو میں اُسے سمجھ جاتا۔ کیونکہ قریبًا سب کی سب باتوں پر حضرت مرزا صاحب نے کچھ نہ کچھ لکھا ہے یا کہا ہے۔ میں نے علمِ کلام بالا میں ایک خاص امر کا ذکر نہیں کیا۔ کیوں کہ بالواسطہ اسے مذہب سے تعلق نہ تھا۔ لیکن بالفاظِ مرزا صاحب یہ وہ جال ہے جس میں چھوٹی بڑی سب مچھلیاں آجاتی ہیں۔ آپ نے یہ دعوٰے کیا کہ عربی زبان سے کل زبانیں نکلی ہوئی ہیں عربی زبان الہامی ہے یعنی نسل انسانی کے اجداد کو عربی زبان ہی خدا نے سکھلائی جس سے باقی کی زبانیں نکلیں۔ اسکی غرض یہ ہے کہ اگر خدا تعالیٰ اپنا کامل الہام بھیجنا چاہے تو عربی

میں ہی بھیجے۔ ایسے ہی اگر کل دنیا کی زبان میں الہام الٰہی کا ہونا ضروری ہو تو وہ عربی زبان ہی ہو۔ کیونکہ یہی زبان مقاصدِ مذہب کو ٹھیک طور پر ادا کر سکتی ہو۔ اور سب کی اصل زبان ہو حضرت مرزا صاحب نے اس امر کو ایک نہایت ہی مہتم بالشان سمجھا۔ چنانچہ جسوقت لنڈن کے مدرسۃ السنہ شرقیہ میں میں نے لیکچر دیا اور وہاں شرط تھی کہ مذہب پر لیکچر نہ ہو۔ تو میرے لیکچر کا مضمون یہ تھا کہ صرف عربی زبان ہی مذہب کی زبان ہو سکتی ہے اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ میں نے جو کہا جسکے سننے کو میرے سامعین تو تیار نہ تھے لیکن مجبور تھے۔ اور انپر اسلام کی حقانیت بوجہ احسن ثابت ہو گئی۔

افسوس یہ ہو کہ حضرت مرزا صاحب نے اس مضمون کی طرف خاص توجہ کی۔ کئی ماہ تک آپکی جماعت آپکے حکم کے ماتحت انگریزی الفاظ کی تحقیق کرتی رہی۔ ہر ایک کو حکم تھا کہ پانچ الفاظ ہر روز پیدا کرکے لائے پھر آپنے اس موضوع پر اپنی کتاب منن الرحمٰن لکھنی شروع کی۔ اُسکا صرف آپنے دیباچہ ہی لکھنے پائے تھے اور اُسمیں حمد و نعت ہی لکھی تھی اور اصل مضمون ابھی باقی تھا تو مقدمات گورداسپور نے روک دیا اور وہ کتاب ویسی کی ویسی ہی پڑی رہی۔ ۱۹۱۵ء میں میں نے جواب مضمون کے طور پر ایک مختصر سی کتاب اُمّ الالسنہ اس موضوع پر لکھی۔ مگر جماعت نے آپکے بعد اسطرف توجہ نہیں کی بلکہ میری کتاب کی تصنیف کی روک میں قابل مضحکہ باتیں اختیار کی گئیں۔ اب میں کل احمدیوں کی خدمت میں عرض کرتا ہوں کہ حضرت کا تو ایک الہام ہے لا نضیع وقتک (ہم تیرے وقت کو ضائع نہیں کرینگے) مجدد چھوڑ پیغمبروں تک اپنے کل کام کی تکمیل تو نہیں کرتے وہ کام کا آغاز کر دیتے ہیں۔ اُس کی تکمیل اُن کے شاگرد کرتے ہیں۔ پھر اس غرض پر تو ایک برس کے قریب حضرت کا خرچ ہوا ہے۔ آیا آپکا وہ وقت ضائع گیا! ایک کتاب کا دیباچہ تو لکھدیا۔ اور اُس کے سر پر ایک سرورق لگا کر نامکمل ہی نامکمل حالت میں آپکے ورثا نے اُسے شائع کر دیا۔ اور پھر یہ امر بھی نسیاً منسیاً ہو گیا۔ ہم میں سے اِسوقت کون ہو جو میری درد کی آواز کو سنے کیا یہ جماعت اسلئے بنی تھی کہ ایک اور تونسہ شریف بن جائے اور وہی سجادہ نشینی کے معاملات پیدا ہو جائیں یا ہم سکول بنانے کے لئے پیدا ہوئے اور وہ بھی ان ضوابط پر جو گورنمنٹ نے تجویز کر رکھے ہیں۔ اور جسکے ثانی ہر بڑے شہر میں کئی ایک سکول ہوتے ہیں۔ میں صرف مختصراً یہ عرض کرتا ہوں کہ ہم صرف

اشاعتِ اسلام کیلئے پیدا ہوئے ہیں۔ اور اس کام کو بھی نبی کریم نے ہماری کمزوری کو دیکھکر محدود کر دیا وہ کسرِ صلیب اور قتلِ خنزیر ہے۔ پھر اس کام کی تعیین بھی مجددِ وقت نے خود کر دی اور وہ یہ ہی کہ ہم سب سے اول کلیسوی مذہب اور آریہ اصولوں کی تردید میں لٹریچر پیدا کریں۔ آج حضرت کو رخصت ہوئے بائیس تیئیس ۲۲ ۲۳ برس گزر گئے۔ میں حالت متقابلہ کے طور پر کسی جماعت کے محامد نہیں گنتا نہ اُنکے خلاف کہتا ہوں۔ ہر ایک جماعت اپنے گزشتہ پندرہ سالہ کام کو سامنے رکھکر اپنی اپنی جگہ احتساب کرے۔ پھر دیکھے کہ ان دو فرائض کو ہم نے کہاں تک پورا کیا۔ پھر ہندوستان کو سامنے رکھے جو کل دنیا میں مذہبی تصادم کی جگہ ہے۔ اور دیکھے کہ اس ملک کے باشندوں کے لیئے ہم نے آجتک کیا کام کیا۔

اخیر میں میں کل مسلمانوں کی خدمت میں ایک عرض کرتا ہوں۔ جس طرح میں نے اس کتاب کی تمہید میں کہا ویسے ہی یہاں کہتا ہوں کہ میں نے یہ کتاب احمدیت کی تبلیغ میں نہیں لکھی۔ میں اشاعتِ اسلام کا عاشق ہوں اسی کام پر مامور ہوں میرا رات دن کا وظیفہ یہی ہے مجھے ایک علم کلام کی ضرورت تھی۔ دوسری طرف میں اپنے آپ کو ایک ایسے زمانہ میں پاتا ہوں۔ جب کل دیگر مذاہب کی فوجوں نے اسلام پر آ حملہ کیا نہ صرف ان مذاہب کے مقابل میں نے اندفاعی کوشش کرنی ہی بلکہ اُنکے عقائد کی بھی تردید کرنی ہے جن کے خلاف قرآن کی تعلیم ہے۔ اب اگر اشاعتِ اسلام پر ہی ہماری گئی شوکت کا واپس آنا منحصر ہے۔ اور اب تو ہر زاویہ نگاہ کے مسلمانوں کو یہ نظر آ چکا ہے کہ اشاعتِ اسلام کے سوا کوئی دوسرا راستہ ہماری نجات کا نہیں۔ اور اشاعت اسلام کے لیئے ان سہ امور بالا کا ہونا ضروری ہے تو پھر اس کام کے لیئے میں حضرت مرزا صاحب کی شاگردی نہ کروں تو اور کیا کروں۔ اُنکے دعاوی کو چھوڑ دو۔ تم اُنہیں مسیح موعود نہ مانو۔ اُنکی مجددیت کا بھی خیال نہ کرو۔ تم ہمارے ساتھ اشاعتِ اسلام میں شریک ہو جاؤ۔ احمدیت کسی نئی جماعت کا نام نہیں جس طرح ہم مسلمانوں میں کوئی یتیم خانہ کھولتا ہے۔ کوئی مذہبی درسگاہیں بناتا ہے۔ کوئی ہائی سکول یا کالجوں کے فکر میں ہے۔ اسی طرح تقسیم عمل کے ماتحت ایک جماعت نے اشاعت اسلام کیلئے

بھی اپنے آپ کو مختص کرنا تھا۔ سو احمدیہ جماعت اس لیئے پیدا ہوئی ہے۔ ہاں احمدیوں کی بھی غلطی ہوگی اگر وہ اشاعتِ اسلام کے سوا کسی اور غرض میں لگ جائیں۔ میں نے مغرب میں جاکر کونسی تعلیم دی جو اسلام کے خلاف تھی۔ میرے تعلیم و تبلیغ کے طریق کو سب نے پسند کیا لیکن اس کام کے لیئے مجھے جناب مرزا صاحب کے لٹریچر نے تیار کیا۔ مسلم بھائی ان امور پر غور کریں جنکا میں یہاں اعادہ کرتا ہوں۔

(۱) ہمارے خلاف آریہ۔ عیسائی۔ سکھ اصحاب وغیرہ جارحانہ حملوں پر آمادہ ہیں ہمیں نہ صرف انکے حملوں کا جواب ہی دینا ہے۔ بلکہ اُن کی کمزوریوں کو بھی اُن پر ظاہر کرنا ہے۔

(۲) ہم میں شکلی تنازعات بھی ہیں۔ ہمیں یہ دکھلانا ہے کہ اسلام میں کوئی فرقہ نہیں اور جب تک مسلم بھائی اس عقیدہ پر نہ آئیں گے۔ اسلام فلاح کا منہ نہ دیکھ سکیگا۔ اس ضمن میں ہمیں اُن امور کا بھی فیصلہ کرنا ہے جو شکلی طور پر ہماری راہ میں آجاتے ہیں۔ اور اُن میں ایک صحیح راہ پیش کرکے پھر اس بات پر زور دینا ہے کہ یہ سب فروعات ہیں۔

(۳) ان امور کے بعد ہمیں ایک علم کلام کی ضرورت ہے جسکو بالواسطہ کسی مذہب سے تعلق نہ ہو۔ اور وہ کچھ اس قسم کا جامع مانع ہو کہ جسکے معیار پر اسلام کے سوا کوئی مذہب نہ ٹک سکے۔

اب ان تین امور کے لیئے میں نے تو حضرت مرزا صاحب کے قدم پکڑے۔ لیکن میں آج بھی کسی اور بزرگ کی خدمت میں حاضر ہوسکتا ہوں یا اُسکے لٹریچر سے مستفید ہوسکتا ہوں اگر مجھے نظر آئے۔ میں حضرت مرزا صاحب کو نبی نہیں مانتا۔ نہ اُنھیں نبوت کا مدعی سمجھتا ہوں۔ میں نے اُن کا کل لٹریچر پڑھا۔ خلوت میں، جلوت میں اُن کی خدمت میں رہا۔ مجھپر اُنکی خاص نظر عنایت تھی۔ میں کہہ سکتا ہوں کہ میں صرف اُن چند ایک مریدوں میں سے ایک ہوں۔ جنھوں نے اُن کی توجہ کو اپنی طرف منعطف کیا ہوا تھا۔ مجھے اُن کی جناب میں آزادانہ گفتگو کرنے کی اجازت یا جراُت تھی۔ حتٰے کہ اس جماعت کے اکابر خود مجھے حضرت صاحبؑ کا **لاڈلا مرید** کہتے تھے لیکن مجھے حضرت سے الگ ہونے میں اب بھی کوئی تامل نہیں۔ اگر میں اغراض بالا کے لیئے کسی اَور کی

طرف دیکھ سکوں یا ان باتوں کو ہی چھوڑ کر اگر مجھپر یہ ثابت ہوجائے کہ حضرت مرزا صاحب نے نبوت کا دعوےٰ کیا ہو تو میرا ان سے کیا تعلق ہے۔ میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین مانتا ہوں اور انکے بعد بقول حضرت مرزا صاحبؑ ہر مدعی نبوت کو دجّال و کافر جانتا ہوں۔ میں مرزا صاحب کی تعلیمات کی رو سے نہ انکے الہامات کی رو سے انہیں وقت کا مجدد مانتا ہوں۔ مجھے انکے الہامات پر تو ایمان ہو لیکن مسئلہ مجددیت کے طے کرنے میں آپکے الہام اولاً میرے لیے کوئی حجت نہیں بسبب اول میں ایسے مدعی میں اسلامی اخلاق دیکھنا چاہتا ہوں۔ اور خدا شاہد ہو کہ سب سے پہلے میں نے حضرت کی زندگی کا مطالعہ اسی نکتہ نگاہ سے کیا۔ اسکے بعد میں ایسے مدعی کے عقائد کو دیکھنا چاہتا ہوں کہ وہ تعلیم قرآن کے مطابق ہیں یا نہیں۔ ان دو امور کے بعد میں انکی تعلیم کو امور بالا کی نگاہ سے دیکھنا چاہتا ہوں۔

میں اس موقع پر یہ عرض کرتا ہوں کہ کیا آریہ یا عیسائی۔ برہمو یا نیچریوں کے مقابل مرزا صاحب نے بہترین سے بہترین لٹریچر پیدا نہیں کیا؟ پھر انکے بعد علم کلام میں مذکورہ بالا دس اصول پیدا کیے انپر غور کرو۔ اُن کا ماخذ قرآن ہے۔ اگر کوئی چیز بھی ہمارے ہاتھ میں نہو۔ اور ہم صرف ان دس اصولوں کو ہاتھ میں لیکر دنیا میں نکل جائیں تو پھر کونسا مذہب ہے یا الہامی کتاب ہے جو اسلام یا قرآن کے سامنے قائم رہ سکے۔ یہ دس اصول بذاتِ خود ہر اہلِ مذہب و غیر مذہب کو قابل تسلیم ہیں۔ اور جس وقت انہیں تسلیم کر لیا جائے تو پھر قرآن یا اسلام یا محمدؐ عربی کے سوا کون استحقاقاً متبوع عالم ہو سکتا ہے۔ مجھے تو تعلیم مرزا صاحب میں ایک بات بھی منتظر نہیں آتی اور انکا ایک عقیدہ بھی ایسا نظر نہیں آتا جسے میں اسلام کے سابق صالحین میں نہ پاتا ہوں حتےٰ کہ وفاتِ مسیح کے قائل زبردست متکلمین گزرے ہیں اور مکالمہ الٰہیہ تو وہ نعمت ہو جسے ہر وقت اور ہر زمانہ میں بزرگان اسلام نے پایا اُسیکا دوسرا نام بفحوائے حدیث نبوی لم یبق من نبوۃ الا المبشرات۔ جزوی یا ظلی نبوت ہو۔ اسی کے مدعی مرزا صاحبؑ تھے۔ اور آپ نے یہ اصطلاح اسلیئے اختیار کی کہ آج نبوت سے ہی انکار ہو چکا تھا جسطرح کوئی شخص رخصت ہو جائے تو اسکی شخصیت کے ثبوت میں اسکی عکسی تصویر پیش ہو سکتی ہو۔ اسیطرح آنحضرتؐ پر نبوت ختم ہو چکی تھی لیکن مکالمہ الٰہیہ اُسکا ایک ادنیٰ سا عکسی نقشہ ہے اور اس سے زیادہ حضرت مرزا صاحبؑ کا دعوےٰ نہیں +

ضمیمہ نمبر ۱

جہاد کے متعلق حضرت صاحب کا ارشاد

ظاہر میں خود نشاں کہ زماں وہ زماں نہیں
اب قوم میں ہماری وہ تاب و تواں نہیں

اب تم میں خود وہ قوت و طاقت نہیں رہی
وہ سلطنت وہ رعب وہ شوکت نہیں رہی

وہ نام وہ نمود وہ دولت نہیں رہی
وہ عزم مقبلانہ وہ ہمت نہیں رہی

وہ علم وہ صلاح وہ عفت نہیں رہی
وہ نور اور وہ چاند سی طلعت نہیں رہی

وہ درد وہ گداز وہ رقت نہیں رہی
خلقِ خدا پہ شفقت و رحمت نہیں رہی

دل میں تمہارے یار کی اُلفت نہیں رہی
حالت تمہاری جاذب نصرت نہیں رہی

حُمق آگیا ہے سر میں وہ فطنت نہیں رہی
کسل آگیا ہے دل میں حلاوت نہیں رہی

وہ علم و معرفت وہ فراست نہیں رہی
وہ فکر وہ قیاس وہ حکمت نہیں رہی

دنیا و دیں میں کچھ بھی لیاقت نہیں رہی
اب تم کو غیر قوموں پہ سبقت نہیں رہی

وہ اُنس و شوق و وجد وہ طاعت نہیں رہی
ظلمت کی کچھ بھی حد و نہایت نہیں رہی

ہر وقت جھوٹ سچ کی تو عادت نہیں رہی
نورِ خدا کی کچھ بھی علامت نہیں رہی

سو سو ہے گند دل میں طہارت نہیں رہی
نیکی کے کام کرنے کی رغبت نہیں رہی

خوانِ تہی پڑا ہے وہ نعمت نہیں رہی | دیں بھی ہے ایک قشرِ حقیقت نہیں رہی
مولیٰ سے اپنے کچھ بھی محبت نہیں رہی | دل مر گئے ہیں نیکی کی قدرت نہیں رہی
سب پر یہ اک بلا ہے کہ وحدت نہیں رہی | اک پھوٹ پڑ رہی ہے مودت نہیں رہی
تم مر گئے تمہاری وہ عظمت نہیں رہی | صورت بگڑ گئی ہے وہ صورت نہیں رہی
اب تم میں کیوں وہ سیف کی طاقت نہیں رہی | بھید اس میں ہے یہی کہ وہ حاجت نہیں رہی

یہ حکم سُن کے جو بھی لڑائی میں جائیگا | وہ کافروں سے سخت ہزیمت اٹھائیگا

اک معجزہ کے طور پہ یہ پیشگوئی ہے | کافی ہے سوچنے کو اگر اہل کوئی ہے

سیفی جہاد کے مطلوبات کے نہ ہونے پر حضرت مرزا صاحب نے حکم فرمایا کہ سیفی جہاد کو اب چھوڑ کر قلمی جہاد کو اختیار کرو۔ صاف ظاہر ہے۔ آپ کا یہ اشتہار ۱۹۰۲ء میں نکلا ۱۹۱۲ء میں جنگ طرابلس ہوا۔ اور اس کے بعد جنگ عظیم نے اپنی شکل دکھائی، ہم میں سے کس کو خیال تھا۔ کہ یہ واقعات ہونگے۔ جلی قلم سے لکھے ہوئے شعروں پر غور کرو۔ آیا یہ صحیح نکلے یا نہ نکلے؟ یہ ایک صریح پیشگوئی تھی، مگر میں اسے اس رنگ میں پیش نہیں کرتا۔ بلکہ یہ کہتا ہوں کہ وقت کے مامور مجدد کا فرض ہے کہ قوم کو ان راہوں سے روک دے جن پر چل کر وہ تباہ ہو جاویں گے۔ آیا ان اشعار میں حضرت صاحب نے مجدد کا کام کیا یا نہیں؟ ایک اور موقع پر ان قوموں کے نام بھی لے دیئے۔ کہ وہ مغرب کی قومیں ہیں۔ ان جنگ جو قوموں سے جو بچے ـــــ وہ بچ گئے۔ جو مقابل پر ان کے گئے۔ وہ ہزیمت یاب ہوئے۔ ہاں۔ آپ نے قلمی جہاد پر زور دیا۔ وہ جس قدر بھی ہوا کامیاب ہوا۔ اور اس نے یقین دلا دیا۔ کہ اس سے ہماری گئی گذری شوکت واپس آ جائے گی۔ اس موقعہ پر میں احمدی بھائیوں کو مخاطب کرتا ہوں۔ کہ وہ بھی اپنا احتساب کریں، میں انہیں سیفی جہاد کے لئے نہیں تیار کرتا لیکن یہ باتیں تو ضروریات دین میں خصوصاً...... اس شعر پر غور کریں ؎

سب پہ یہ اک بلا ہے کہ وحدت نہیں رہی | اک پھوٹ پڑ رہی ہے مودت نہیں رہی

ضمیمہ نمبر ۲

مکاشفہ

اخیر جون ۱۹۲۹ء میں رات کے کوئی ساڑھے دس بجے تھے، جب میں ایک خاص تکلیف میں مبتلا ہو گیا، جس پر میں نے حضرت حکیم صاحب مغفور کو مکاشفہ کے رنگ میں دیکھا۔ جس کو تفصیلاً تو میں نہیں لکھتا لیکن آپ نے خاص اسماء حسنہ کے ساتھ آیہ کریمہ پڑھنے کا مجھے حکم دیا۔ چنانچہ مکاشفہ کے بعد نہ صرف میں نے اسے پڑھنا شروع کیا، بلکہ کل کنبہ کو اسی طرح آیہ کریمہ پڑھنے کو کہا، اللہ تعالیٰ نے مجھے اسی وقت اس تکلیف سے نجات دے دی۔ غالباً گیارہ بجے کا وقت ہو گا۔ جب مجھ پر پھر ایک خفیف سے خفیف غنودگی طاری ہوئی میں نے دیکھا کہ میرے خیمہ کے مغربی دروازہ سے دو شخص داخل ہوئے۔ ایک جوان۔ اور دوسرے معمر اول الذکر تو جناب میاں بشیر الدین محمود تھے، جن کو میں نے فوراً پہچان لیا لیکن ان کے رفیق کو میں نے کبھی ایسی حالت میں نہ دیکھا تھا۔ اس لئے میں ان کو پہچان نہ سکا۔ ان کا لباس لٹھہ یا کھادی کا تھا اور وہ بھی کسی قدر کثیف، سر پر بغیر کلاہ کے ململ کی پگڑی، گلے میں پرانی وضع کا کرتہ، اور نیچے ایک تہبند۔ لیکن جب یہ دونوں میری چارپائی کے نزدیک کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ تو میں نے پہچان لیا کہ یہ حضرت اقدس ہیں، آپ کا چہرہ غمگین تھا، آپ کی اس حالت نے مجھے غمناک کر دیا۔ اور میں نے روتے ہوئے آپ سے یہ دریافت کیا۔ کہ یہ کیا حالت ہے؟ آپ نے خشمناک حالت میں میاں محمود کی طرف دیکھا، اور فرمایا، کہ یہ سب اس کا کیا ہوا ہے یہ نوجوان کسی کی نہیں مانتا جو اس کے دل میں آتا ہے کرتا ہے۔ پھر آپ نے میری طرف دیکھا اور کوئی نصف منٹ کے بعد فرمایا "تم بتلاؤ تم نے کیا کیا؟ تم میرے پاس آیا کرتے تھے۔ میرے حالات کا ترجمہ کیا کرتے تھے۔ اب تم

نہیں کرتے، پھر یہ حالت نہ ہو تو کیا ہو" جو الفاظ یہاں میں نے جلی قلم سے لکھ دیئے ہیں، وہ تو ان کے ہیں۔ باقی کا مفہوم میں نے لکھ دیا ہے، میں نے یہ بھی پسند نہیں کیا۔ کہ جو کچھ میں نے سُنا اور مجھے یاد ہے، میں اُسے اپنے الفاظ میں لکھ دوں۔ حضرت اقدس کے اس ارشاد پر میاں صاحب نے اپنی آنکھیں نیچی کر لیں اور وہ کچھ بول نہ سکے۔ اس کے بعد آپ تشریف لے گئے اور ان کے ساتھ میاں محمود بھی چلے گئے۔

ضمیمہ نمبر۳

چودہ ماہِ نومبر کو صبح کے کوئی ساڑھے چار بجے ہونگے، جب میں نے ایک نہایت رفیع الشان عمارت دیکھی، اس کے باہر میں کھڑا تھا، کہ اچانک ایک شخص اس کے دروازے سے نکلا، جو مجھے کسی عدالت کا اردلی نظر آیا۔ وہ نہایت ہی خوف زدہ تھا۔ جب وہ میرے نزدیک آیا۔ تو وہ حضرت قبلہ مولوی محمد علی صاحب تھے۔ انہوں نے مجھے اس افسردگی میں اشارہ کیا کہ میری طلبی اندر ہوئی ہے، اس سے مجھ پر خوف طاری ہو گیا۔ اور میں ان کے قدم بقدم مکان میں داخل ہؤا۔ اندر جا کر میں نے ایک نہایت ہی رعب افزاء دربار دیکھا دروازے کے سامنے ایک عظیم الشان تخت تھا جس کے دائیں بائیں تخت سے کوئی نصف گز نیچے اعلیٰ قسم کے عربی دیوان تھے۔ (دیوان سے مراد گدے والی میزیں ہوتی ہیں جو کمرہ نشستگاہ کی دیواروں سے پیوست وملحق ہوتی ہیں) تخت مذکورہ زمین سے کوئی ہ فٹ اُونچا تھا لیکن دیوان غالباً زمین سے چار ساڑھے چار فٹ اونچے ہونگے، ان پر اعلیٰ ریشمی گدے تھے۔ تخت پر کوئی نہایت ہی جلال و سیاست والی ہستی متمکن تھی لیکن کوئی شکل مجھے نظر نہ آتی تھی۔ گو میں سمجھ رہا تھا کہ کوئی تخت پر بیٹھا ہؤا ہے۔ دائیں طرف کے دیوان پر امرائے دربار تھے۔ جو اعلیٰ سے اعلیٰ لباس میں ملبوس تھے۔ جن میں سے بعض میرے آشنا تھے لیکن

سیاست شاہی کچھ ایسی غالب تھی، کہ یہ شناخت بھی خوفزدہ آنکھوں کے ذریعہ ہوئی۔ مگر کسی کو اشارہ تک کی جرأت نہ تھی، تخت کے سامنے ملزموں کے کھڑا کرنے کی جگہ تھی، اور کسی حکم کے ماتحت میں اس جگہ کی طرف گیا اور وہاں کھڑا ہوگیا۔ اور میرے ہمراہ حضرت مولوی صاحب تھے۔ بائیں دیوان پر میں نے عملۂ دربار کو پُرشکوہ لباس میں دیکھا، اسی عملہ میں حضرت مرزا صاحب علیہ الرحمتہ تخت کے قریب بطور ہیڈ سررشتہ دار بیٹھے ہوئے تھے، لیکن میں نے انہیں بھی حالت خشیت میں پایا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا، کہ ہم پر کوئی مقدمہ ہے اور اس عدالت عالیہ میں ہم بحیثیت ملزم کھڑے ہیں۔ اور اہلِ دربار فیصلہ کے منتظر ہیں، یہ تو میں نے لکھا ہے کہ صاحب تخت کی شکل تک مجھے نظر نہیں آئی۔ اسی طرح میں نے کوئی آواز نہیں سُنی، لیکن میں نے سمجھا کہ صاحب عرش نے کوئی حکم دیدیا ہے جس کے سنانے کے لئے حضرت مرزا صاحب اُٹھے، وہ گو خود خوف کی حالت میں تھے، مگر انہوں نے نہایت غضبناک آواز میں حکم سنایا۔ پہلے وہ ہم دونوں (میرے اور مولوی صاحب) کی طرف مخاطب ہوئے اور کہا "تم کیوں کسل اور غفلت میں ہو، اسے چھوڑو" اس کے بعد وہ کچھ خاموش ہوگئے، اور پھر وہ مجھ سے مخاطب ہوئے اور کہا "جا اور میرے حالات کے متعلق کتاب لکھ" یہ ارشاد کچھ ایسا پُرجلال آواز میں تھا، کہ اس نے اہلِ دربار کے خوف کو اور بھی بڑھادیا۔ اور سب کی آنکھیں جھک گئیں۔

میں نے مولوی صاحب کی طرف اور انہوں نے میری طرف حالت ارتعاش میں دیکھا، انہوں نے اشارہ فرمایا کہ یہاں سے نکلو کہ آسان چھٹکارا ہوا۔ چنانچہ ہم دونوں لرزاں وترساں اس دربار سے باہر آئے۔ اور باہر آتے ہی میری آنکھ کھُل گئی۔

میں یہاں تک حالت خوف میں تھا، کہ کروٹ بھی نہ لے سکتا تھا، اسی حالت میں نماز فجر کا وقت بھی ہوگیا لیکن دہشت نے مجھے بستر سے ہلنے نہ دیا۔ اتنے میں پھر لمحہ کے لئے میری آنکھ لگ گئی، اور میں نے دیکھا کہ میرے ہاتھ میں قلم کاغذ ہے، اور میرے پاس اسی شفقت و محبت کے

کے ساتھ حضرت صاحب علیہ الرحمۃ بیٹھے ہیں۔ جیسے زندگی میں ان کا معمول تھا، اور کتاب مذکورہ کی تصنیف کے متعلق چند ہدایات دے رہے ہیں۔ پھر میری آنکھ کھل گئی۔

احمدی بھائیوں کی خدمت میں عرض

اپنے اپنے موجودہ خیالات کے مطابق ہر ایک انسان طبعاً واقعہ پیش آمدہ کی تعبیر کر لیتا ہے اس مکاشفہ کے متعلق بھی یقیناً یہی قیاس ہو سکتا ہے، اور دوسری طرف میرا یہ طریق عمل ہے۔ کہ میں نواحی باہمی بحثوں میں کبھی پڑا نہیں کرتا جنہیں مقاصد عالیہ سمجھ کر میں منہمک ہو جاتا ہوں۔ ان کے مقابل چھوٹے امور کو چھوڑ دیتا ہوں، چنانچہ میں مکاشفہ کی بحث میں بھی آئندہ کم پڑوں گا، بلکہ نہ پڑوں گا۔
جہاں تک احمدی بھائی تعلق رکھتے ہیں، اس کتاب سے میرا مقصد صرف اسی قدر ہے، کہ میں انہیں ان کے فرائض یاد دلاؤں اور اس مکاشفہ کی غرض بھی یہی سمجھتا ہوں۔ اگر کسی بزرگ کو اس مکاشفہ میں ایسی ہی صداقت نظر آتی ہے، تو بسم اللہ وہ بیشک خوش ہو، لیکن خدارا ان پندرہ سال کے مافات کا فکر کر لے، میں ان رویاؤں کے متعلق صرف ذیل کی چند باتیں لکھ کر اس بحث کو ختم کرنا چاہتا ہوں

اول میں پھر خدا کو حاضر ناظر جان کر کہتا ہوں کہ میں نے ایسا ہی دیکھا جو میں نے لکھا ہے اس سے جو مراد اصلی ہے وہ تو وہی جانتا ہے، مگر مجھے ذیل کی باتیں نظر آتی ہیں:۔

(۱) جس حالت میں میں نے حضرت صاحب کو دیکھا وہ اُن کی اپنی حالت تو نہیں ہے، وہ وہ حالت ہے، جو اس وقت لوگوں کی نگاہ میں ان کی جماعت کی ہے۔ اور اگر کوئی یہ سمجھ کر خوش ہونا چاہے، کہ اس میں میرے تقوی کی طرف اشارہ ہے، تو میں اسے بھی تسلیم کرتا ہوں میں کہاں کا سید المتقین ہوں، گو حضرت مولوی محمد علی صاحب تو بار بار کہتے ہیں کہ میں اس جماعت کا ایک نمائندہ ہوں۔ اور جو مجھے کہا گیا ہے، وہ کل جماعت کو کہا گیا ہے لیکن میں کہتا ہوں کہ میں ہی مخاطب ہوں، علاوہ ازیں مکاشفہ کو دیکھے ہوئے تو اب ڈیڑھ سال ہو گیا۔ اور ہم میں سے بعض نے جو کیا سو کیا، اور انہوں

.... نے اپنے طریق عمل سے ظاہر کر دیا۔ کہ انہیں اس مکاشفہ نے بھی جو کروں میں کروں۔ بالمقابل میں اس ذمہ داری کو بطیب خاطر قبول کرتا ہوں۔ اس امر کو تسلیم کرنے کے بعد کہ میں نے یہ واقعات دیکھے، ہمیں سب سے اول یہ غور کرنا چاہیئے، کہ جب جماعت کا ایک حصہ حضرت مرزا صاحب کو نبی مانتا ہے، اور اگرچہ ہم انہیں نبی نہیں مانتے لیکن ان کی ظلی نبوت کے قایل ہیں، اس لیئے ہم میں سے کسی کا حق نہیں کہ ہم ان رویاؤں کو وسوسہ شیطان سمجھیں، عام مسلمانوں کا اس امر پر جو عقیدہ ہے وہ مشہور ہے لیکن ہمارے آقا و مرشد علیہ الرحمتہ کے الفاظ ذیل کے ہیں:۔

فان الشیطان لا یتمثل بصورت الانبیا

شیطان انبیا کی صورت پر متمثل نہیں ہوتا

حضرت صاحب ہماری موجودہ حالت کے دو اسباب بتلاتے ہیں میں وہ مکاشفہ کے الفاظ نقل کر دیتا ہوں:۔ (۱) یہ نوجوان (میاں صاحب) کبھی کی نہیں مانتا۔ جو اس کے دل میں آتا ہے۔ کرتا ہے۔ (۲) تم بتلاؤ۔ تم نے کیا کیا؟ تم میرے پاس آیا کرتے تھے میرے حالات کا ترجمہ کیا کرتے تھے۔ اب تم نہیں کرتے۔

یہ نہ بھولنا چاہیئے، کہ حضرت نے میرے پوچھنے پر کہ آپ کی یہ حالت کیوں ہے؟ خشمناک ہو کر یہ الفاظ فرمائے ہیں ایس پہلے میاں صاحب کو مخاطب کیا۔ اور میاں صاحب کی آنکھیں اس پر نیچی ہو گئیں، پھر مجھے مخاطب ہو کر کہا، اور میں رو پڑا، یہ مکاشفہ کوئی معمہ نہیں، اس کے صاف معنی یہ ہیں، کہ حضرت صاحب کو رنج یہ ہے کہ ان کی حقیقی تصویر دنیا کے سامنے نہیں رہی۔ ان کے حالات کی صحیح ترجمانی نہیں ہوئی۔ میاں صاحب پر اس لیئے ناراض ہیں، کہ انہوں نے غلط ترجمانی کی اور مجھ پر اس لیئے ناراض ہیں۔ کہ میں نے ترجمانی نہیں کی۔ واقعات حاضرہ اس امر کی تصدیق کر رہے ہیں احمدی جماعت آج سے سولہ سال پہلے اپنی شان و شوکت کے لحاظ سے اگر استعارۃً سنجاب و قاقم و زربفت و ریشم پہنے ہوئے نظر آتی تھی، آج وہ غیروں کو کھادی اور کثیف لباس میں نظر آتی ہے۔

یہ امر یاد رکھنے کے قابل ہے۔ کہ ہم سیاسیات میں حصہ لینے کے لئے دنیا میں نہیں آئے، ہماری سیاسیات صرف اسی قدر ہونی چاہیئے کہ ہم قوانین حکومت کی عزت کریں۔ اور کسی قسم کی باغیانہ راہ اختیار نہ کریں۔ منشاء ایزدی نے ہمیں ایک مامور من اللہ مجدد کے ساتھ وابستہ کرکے ہمیں صرف اشاعت اور خدمت قرآن پر مامور کیا۔ ہم میں سے جو کوئی اس سے زیادہ سیاسیات میں حصہ لیتا ہے۔ یا وہ خدمت دین کرنی نہیں جانتا، یا وہ اپنی خدمات سے گورنمنٹ کو خوش کرنا چاہتا ہے، اگر تو حضرت صاحب نے اپنے وقت ہم کو سیاسی خدمات پر لگایا۔ تو بیشک کرو، ورنہ حضرت مرزا صاحب کا نمونہ اس امر میں ہمارا ہادی ہونا چاہیئے۔ اور جس طرح سے میاں صاحب کو حضرت کے پیچھے جاتے دیکھا وہ اب اور اشغال کو چھوڑ کر اشاعت و خدمت دین میں حضرت کے پیچھے ہو جاویں۔ اور خدا کرے ایسا ہو۔

سو ان معنوں میں ہم عامہ مسلمانوں کی نگاہ میں کھادی اور کثیف لباس پہنے ہوئے ہیں، لیکن آج سے پہلے ہم فوق البھڑک لباس میں نظر آتے تھے، اور خدا کرے دوسرے رویاء کے جس پرشکوہ لباس میں میں نے آپ کو دیکھا وہ دنیا پر ظاہر ہو جاوے، اسوقت اگر ہم میں سے ایک نے حضرت مرزا صاحب کو نبی بنا دیا، تو دوسرے نے اس غلو کا کافی سدباب نہ کیا۔ اس کا نتیجہ کثیف لباس ہوا۔ لاہوری جماعت نے جو کیا حتی الوسع کیا لیکن وہ ناکافی ثابت ہوا۔

مَیں اس بحث میں نہیں پڑتا (جیسے کہ میں نے پہلے بھی لکھا ہے) کہ نبوتِ حضرت مرزا کی اصل حقیقت کیا ہے؟ میں اسی قدر کہتا ہوں، کہ حضرت کے بعد اس مسئلہ نے اس صورت میں پیش ہو کر یہ نتائج پیدا کئے، ہم نے جناب مرزا صاحب کی طرف تبدیلی عقاید منسوب کرکے انہیں نبی کی بجائے معاذ اللہ غبی بنا دیا لیکن آج ہمارے میاں صاحب نے اس بات کو دیکھ لیا، سنتا ہوں، کہ وہ بھی یہی کہتے ہیں۔ کہ میرا عقیدہ وہی ہے، جو خواجہ کا ہے، صرف لفظی فرق ہے، یہ سچ ہو گا لیکن میں دو باتیں چاہتا ہوں، اپنی جماعت کو تو یہ کہتا ہوں، کہ اس معاملہ میں غفلت اور کسل کو چھوڑ دیں۔ جیسے حضرت نے رویاء میں فرمایا جس طرح وہ ایام حضرت میں آپ کی معیت د

ومجددیت کو ہر جگہ جوش کے ساتھ پیش کرتے تھے۔ وہ ہی رنگ اب حضرت کی صحیح تصویر کو پیش کرنے میں اختیار کریں، اگر انہیں یہ کتاب پسند ہو۔ تو اس کی ہزار دو ہزار کاپیاں دوبارہ شایع کریں۔ مجھے کہیں، مَیں تیار ہوں، اگر خود چاہیں خود کریں۔ میری طرف سے اجازت ہے۔ ایسا ہی اگر یہ کتاب کافی نہیں، اور لکھیں لیکن اس لٹریچر سے دنیا کو بھر دیں۔ کہ حضرت مرزا صاحب نبی نہیں، نبوت کا دروازہ بند ہو چکا ہے، اور جناب مرزا صاحب کثرت کے ساتھ مخاطبہ الٰہیہ سے مشرف ہوئے۔ دوسری وجہ ہماری کھادی پوشی کی یہ ہے۔ کہ ہم میں خدمتِ اسلام کا وہ رنگ نہیں ہے، جو حضرت مرزا صاحب کے وقت تھا۔ مَیں جانتا ہوں۔ کہ ضدیت اور رقابت بعض کو دو ونگ بعض کو پٹنی بعض کو رلن کے کام کے استخفاف پر آمادہ کر دیتی ہے، تم ان تینوں کو بحث سے خارج کر دو، تم نیا کام کرو تم برائے خدا غور کرو۔ کہ ہم نے کہاں تک حضرت مرزا صاحب کا ورثہ پایا۔ وہ سلطان القلم تھے۔ ہم میں سے اس رنگ میں اُن کا کون وارث ہے؟ میں یہ نہیں کہتا کہ تم چند الفاظ جمع نہیں کر سکتے۔ لکھنے کو ہزاروں صفحے لکھ دو گے لیکن تمہاری تصانیف میں وہ رنگ اور وہ نوعیت کہاں ہے، جو حضرت مرزا صاحب کی تحریریں نظر آتی ہے، میں چونکہ حضرت مولوی محمد علی صاحب کا ایک نیازمند ہوں۔ اور ممکن ہے کہ میرا ان کی خدمات کو گننا عصبیت یا تعصب پر محمول کیا جاوے، اس لئے ان کی تصانیف کو بھی میں خارج از بحث کرتا ہوں۔ ان امور کو الگ رکھ کر، میں کُل احمدی جماعت کو مخاطب کر کے پوچھتا ہوں، کہ اس کتاب میں جن امور کو بطور فرائض مجدد شمار کیا گیا ہے، اگر وہ صحیح ہیں، تو تم نے ان گذشتہ بیس سالوں میں کیا کیا؟ کہاں تک کسرِ صلیب یا قتل خنزیر۔ یا تبلیغ مجددیت میں کوئی کام کیا؟ پھر میں پوچھتا ہوں۔ کہ حضرت مرزا صاحب نے جو علم کلام پیدا کیا تھا، کیا وہ صرف ان کے لئے ہی تھا۔ یا ہم نے بھی اسے استعمال کرنا تھا، پھر ایک اور بات پوچھتا ہوں۔ حضرت نے اپنے حالات کے پیش کرنے میں اسّی کے قریب کتابیں لکھ ڈالیں، ان میں سے تین کتابیں نزولِ مسیح، تریاق القلوب اور حقیقت الوحی یکے بعد دیگرے نکلیں اور ہر ایک

میں آپ نے پیشینگوئیوں کو گنا، ان میں سے اکثر پیشین گوئیاں بار بار لکھیں، آخر اس تکرار کی کیا غرض تھی؟ خدا نے تو اُسے کہا لا نضیع وقتک (ہم تیرا وقت ضایع نہیں کریں گے) لیکن ہم نے اس کے وقت کو ضایع کیا یا نہیں کیا؟ کیا انہیں پبلک میں لانے کے لئے کوئی کوشش کی؟ کل دنیا چھوڑ کیا ہندوستان کی دنیا ان پیشین گوئیوں سے کما حقہٗ واقف ہے، وہ آج مٹ گئیں، اور اگر ہم نے اپنی یہی حالت رکھی تو وہ مٹ جائیگی، گو خدا اس کا حافظ ہوگا، اور کسی اور کو اس کام پر مامور کرے گا۔ تم اپنے کمالات کو پیش کرتے ہو، تم پہاڑ کے مقابل ایک تنکا سے کم حقیقت رکھتے ہو، تم اس کی جوتیوں کی طفیل روٹی کھاتے ہو، تم کیوں چند پیسوں میں مست ہوگئے؟ خدا کے لئے اُٹھو، ہوش کرو ہم میں سے بعض کو نبی بنانے کی فکر میں ہیں لیکن تمہاری باتوں سے وہ نبی نہیں بن سکتا اور اگر ان کی نبوت سے تمہاری مراد اُن کا کثرت مکالمہ ہے۔ تو آج اس کثرت مکالمہ کا کیا ثبوت ہے اس کا ثبوت حضرت مرزا صاحب کے بعد اگر وہ سکتا ہے تو وہ پیشین گوئیاں ہیں۔ تم نے انہیں کہاں تک پیش کیا؟ اگر وہ اپنا وقت ضایع نہیں کرتے تھے، اور انہوں نے تین چار سال کے اندر تین مذکورۂ بالا کتابیں لکھیں، اور ان میں سے ہر ایک میں ایک ہی قسم کی پیشین گوئیوں کو لکھا۔ تو اس تکرار کا اشارہ تو یہ تھا کہ تم بھی اس تکرار کو قائم رکھنا، کیا تُم نے ایسا کیا؟

میں ایک کام میں منہمک تھا اور میں نے اس طرف توجہ نہیں کی، کیونکہ میں اس بات کا قائل ہوں کہ "یک راگیر و محکم بگیر" لیکن میرا دل پارہ پارہ ہو چکا ہے۔ اس غفلت نے جس میں ہم ہیں مجھے سخت اندوہناک کر رکھا ہے۔ تم اس بات کا کیوں فکر کرتے ہو۔ کہ مرزا نبی تھا یا نہیں تم خدمتِ دین پر لگ جاؤ۔ اور اشاعت اسلام میں اس کا رنگ اختیار کرو۔ دُنیا تمہاری طرف آجھکے گی اور تمہاری طرف جُھکنا ایک بے معنی چیز ہے، وہ حضرت کی طرف ہی رجوع ہوگی۔ بطور لطیفہ ایک بات کہتا ہوں۔ بیماری سے پہلے خدا نے مجھے قوی ہیکل بنایا ہُوا تھا۔ اور میرے متعلق صحیح طور پر کہا جاتا تھا:۔

ہاتھی پھرے گراں گراں، جس دا ہاتھی اُسی دا ناں

ہیں اور تمہارے فرائض کا ذکر نہیں کرتا، خدا نے توفیق دی تو کسی آیندہ وقت ایسا کروں گا لیکن اس وقت میں تمہارے اُس فرض کی طرف تمہیں متوجہ کرتا ہوں، جس کے متعلق حضرت نے ذیل کے الفاظ لکھے۔ میں یہاں عدم گنجایش کے باعث حضرت کے عربی الفاظ نہیں لکھتا۔ یہاں وہ لکھدیتا ہوں جو حضرت نے اردو میں بطور ترجمہ عربی کے نیچے لکھے:-

"اور ہم دیکھتے ہیں، کہ ہماری ملکہ مکرمہ ہدایت پانے کے لئے اُمید کی جگہ ہے۔ اور اس کے دِل کو حُب اسلام اور شوق اسی روشنی کا دیا گیا ہے، اور عنقریب ہے۔ کہ خدا تعالیٰ اس ملکہ نورانی وجہ کے دِل اور اس کے شہزادوں کے دلوں میں نور توحید ڈال دے اور خدا تعالیٰ پر یہ مشکل نہیں۔ بلکہ اس کی قدرت ایسے ہی کام کرتی ہے اور ہر چیز پر قادر ہے۔ اور وہ اپنی طرف طالبوں کے دِل کھینچ لیتا ہے۔ اور اسی طرح ہم دیکھتے ہیں، کہ بڑے بڑے رکن اس گورنمنٹ کے دن بدن توحید کی طرف مایل ہوتے جاتے ہیں۔ اور ان کے دل عقاید باطلہ سے نفرت کر گئے ہیں۔ اور ان کی شان کے لایق بھی نہیں، کہ اپنے جیسے آدمی کی پرستش کریں جو انسانوں کی طرح صفات میں اور تمام لوازم انسانیت میں ان کا شریک ہے، اور ایسا شرک ان سے کیوں کر ہوسکے، اور خدا نے ان کو کئی قسم کے علم عطا کئے ہیں، اور فہم اور عقل عنایت کی ہے اور ہم اس قوم کے محققوں میں سے کوئی ایسا شخص نہیں پاتے جو ان واہیات باتوں پر راضی ہو، مگر شاذو نادر جو اس ایک بال کی طرح جو سیاہ بالوں میں ہو، اور میں جانتا ہوں کہ یہ لوگ اسلام کے انڈے ہیں، اور عنقریب انہیں سے اس ملت کے بچے پیدا ہونگے، اور ان کے منہ الٰہی دین کی طرف پھیرے جائیں گے، کیونکہ یہ ایک ایسی قوم ہے کہ جو ہر ایک بات کی تفتیش کرتی ہے، اور اس حق سے آنکھ بند نہیں کرتی جو کھل گیا ہو۔ اور حق کے قبول کرنے سے شرم نہیں کرتی اور ڈھونڈھتی ہے اور تھکتی نہیں، اور جو ڈھونڈے گا پائیگا، اگرچہ کچھ دیر کے بعد پا دے" (نورالحق حصہ اول صفحہ ۴۴ ۴۳)

"تم علماء میں سے بعض آدمی مقرر کرو۔ تاکہ واعظ بن کر انگریزی ملکوں کو جائیں، اور تاکہ فرد ا[illegible]
پر شریعت کی حجت پوری کریں۔ اور دوستوں کی مدد کریں[1]۔ . . . . اور یقیناً سمجھو
دین اسلام عالم روحانی کے لئے مرکز ہے، کیونکہ جسمانی ملک۔ روحانی ملک کے لئے تابع
اور خدا تعالیٰ نے جسمانی ملک کی سلامتی اور بزرگی روحانی ملک میں رکھی ہے۔ . . . . . . او[illegible]
وقت خدا تعالیٰ ارادہ کرتا ہے، کہ کسی قوم کو بلندی بخشے، تو ان کو دین میں عالی ہمت اور صا[illegible]
غیرت کر دیتا ہے[2] . . . . خدا تعالیٰ کے لئے کھڑے ہو جاوے اور اس ک[illegible]
اور کے بدلے کی اُمید نہ رکھو۔ اور ان ولایتوں میں دو باخبر آدمی بھیجو[3] . . . .
پس اگر تم نے ایسا کیا، اور یہ [illegible] کہنے پر عمل کیا، تو اخیر زمانہ تک نیک یادگار تمہاری باقی رہے
تو تم مقبولوں کے ساتھ اٹھائے جاؤ گے، سو جوانمردی دکھاؤ [illegible] تم پر رحم کرے اور فرمانبرد[illegible]
اُٹھ کھڑے ہو[4] . . . . سو وہ وقت آ گیا۔ جو ہمت، غیرت، اور حمیت کو مردوں کی
کام میں لاویں۔ اور اگر تم اب بھی نہ سنو، تو غافلوں کا گناہ تمہاری گردن پر۔ . . . .
کیا تم تنزلی حالتوں اور ادبار کے دنوں کو نہیں دیکھتے جو لاحق ہیں . . . . ا۔
وعظ کے لئے انگریزی ملکوں کی طرف خالصاً للہ جائیگا پس وہ برگزیدوں میں سے ہوگا اور اگر اسکو موت
تو وہ شہیدوں میں سے ہوگا۔ سوائے حامیان ملت اور اے صاحبان غیرت و حمیت او[illegible]
شریعت زمانہ کو پہچان لو کیونکہ وہ وقت آ گیا اور یہ وہی وقت ہے، جس کے آنے کے تم امیدوا[illegible]
اور یہ وہی وقت ہے۔ جس کی امیدیں ہمیشہ سے تھیں[5]۔ . . . .